ماہنامہ

خالد

ربوہ

ماہ جون/جولائی سنہ ۱۹۸۰ء

"ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ"

حضـ[illegible] کے ارشاد پر مجلس خدام الاحمدیہ کی چھبیسویں (۲۶) تربیتی کلاس کا
افتتاح [illegible]زادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے ۱۶ مئی ۱۹۸۰ء کو فرمایا۔
تصویر میں صاحبزادہ صاحب موصوف خادم کا عہد دہرا رہے ہیں۔

اختتامی اجلاس تربیتی کلاس (۲۹ مئی ۸۰ء) کے
مہمانِ خصوصی مولانا نذیر احمد صاحب مبشر کے اختتامی خطاب سے
قبل ناظم اعلیٰ تربیتی کلاس صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب
رپورٹ پیش کر رہے ہیں۔

ملک کے کونہ کونہ سے مرکز میں آکر تربیتی کلاس میں شامل ہونے والے نمائندہ خدام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　　　نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اِسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں" (الہام حضرت مسیح موعودؑ) "قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ **خالد** ربوہ

جلد ۲۸　　شمارہ ۸-۹

ایڈیٹر:- محمد الیاس منیر
نائبین:- اخلاق احمد انجم - اظہر احمد
ترتیب و تزئین:- منصور احمد عارف
پبلشر:- مبارک احمد خالد پرنٹر:- سید عبدالحی

لکھنے والے:- صاحبزادہ میرزا طاہر احمد - پروفیسر محمد علی چوہدری حسن محمد خان - میجر منظور احمد (ریٹائرڈ)

مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ　　مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ

خدا حافظ و ناصر

امام جماعت احمدیہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث - اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت آپ کے شاملِ حال ہو۔ ۲۶ احسان ۱۳۵۹ ہش بمطابق ۲۶ جون ۱۹۸۰ء صبح چھ بج کر چار منٹ پر ربوہ سے بیرونی ممالک کے تبلیغی و تربیتی دورے پر روانہ ہو گئے۔

احباب جماعت حضور کے بیرونی ممالک کے اس سفر کی کامیابی کے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے امام کو صحت سے رکھے، ہر شر سے آپ کی حفاظت فرمائے۔ بیش از بیش کامیابیوں سے ہمکنار کرے، اور اس دورے کو انسانیت کیلئے ہر لحاظ سے مفید بنائے اور اس کا جو مقصد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دنیا میں قائم ہو اور نوعِ انسانی کے دل میں عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو جائے، اس کے پورا ہونے کے سامان پیدا ہوں۔ آمین ثم آمین

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

مژدۂ نوبہار

روحانیت میں بہار کا تقرا اور سرسبزی و شادابی کے ایام کی آمد آمد ہے ـــ جب ہر
ور بیماری کا انتشار ہوگا - باب رحمت وا ہوگا ـــ بدی کا محرک اور انسان کا سب سے
من پابہ زنجیر ہوگا ـــ

خوش قسمت ہے وہ انسان جسے ان ایام سعد میں عنت الٰہی نعمت بے بہا سے مالامال
ر ـــ اس موسم روحانی کی بہاریں لوٹنے، اللہ کے فضلوں کو جذب کرنے، رحمتوں سے حصہ
، انوار و برکات سے جھولیاں بھرنے کا موقعہ ملتا ہے ـــ

رمضان المبارک میں ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے
س مبارک مہینہ میں ہمارے پیارے آقا کمر ہمت کس لیتے تھے - اپنی راتیں زندہ کرتے تھے اور
نے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے ـــ عام ایام میں آپ کے قیام کا یہ حال ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ
ے حضور کھڑے کھڑے پاؤں متورم ہو جاتے - آپ کے سجدہ کی یہ کیفیت ہوتی گویا سینہ نہیں ہنڈیا
اُبل رہی ہے - تو ذرا اندازہ کیجئے آپؐ کی عبادت رمضان کے ایام میں کس قدر ہوگی ـــ یوں تو
آپ کے در سے کوئی سوالی کبھی واپس نہ گیا مگر ان دنوں میں آپ کے صدقہ و خیرات میں ایک خاص تیزی
اور وسعت پیدا ہو جاتی - یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کی سخاوت تیز آندھی سے بھی تیز تر
ہو جاتی - آپؐ ہمہ وقت ہر خیر، ہر نیکی بجا لانے کے لئے مستعد رہتے - قلب میں ایک خاص
روحانی ذوق و شوق موجزن ہوتا - ایک عجیب حرارت دینی آپؐ کے سینہ کو گرما رہی ہوتی
رسول اللہ صلعم کا یہی نمونہ ہمیں رمضان میں خاص طور پر اپنانا چاہیئے -

رمضان المبارک کی ایک بڑی برکت روزہ ہے - روزہ ـــ ہر قسم کے گناہوں
اور برائیوں سے بچنے میں ڈھال کا کام دیتا ہے - اس کے ذریعہ انسان نہ صرف مادیت
کے گھناؤنے اندھیروں سے نکل کر روحانیت کے لالہ زار میں آجاتا ہے بلکہ اپنے آپ
کو خدا کی خاطر بھوکا پیاسا رکھ کر وہ فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے بڑھتا چلا
جاتا ہے ـــ جہاں صبح سے بھوکے پیاسے اس بندہ کے منہ کی بو اللہ میاں کو

کستوری سے بھی زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوتی ہے ـــ وہاں اس کا خدا اسے دو خوشخبریوں سے نوازتا ہے۔

ایک جب کہ وہ غروبِ آفتاب کے وقت روزہ افطار کرے گا

دوسرے جب وہ قیامت کے دن روزہ کے دروازہ "بابِ ریان" میں سے ہو کر جنت میں اپنے ربِّ کریم سے ملاقات کرے گا۔

پس بدقسمت ہے وہ شخص جو اس مہینہ کے انوار سے محروم رہا۔ پیارے رب کی راہوں کو اختیار نہ کیا، حالانکہ اس کے لئے رحمتوں اور برکتوں اور خدا کے پیار کی راہیں کھلی تھیں۔ پھر بھی وہ یخرجھم من الظلمٰت الی النور کے فیضِ عام سے بہرہ ور نہ ہو سکا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ایک نصیحت بہت پیاری ہے کہ :

ہر رمضان میں انسان عہد کرے کہ اس دفعہ ایک بُرائی ہمیشہ کے لئے ترک کر دوں گا ـــ اور ایک نیکی کے متعلق عزم کرے کہ اس پر استقلال اختیار کر دوں گا۔

خدام بھائیو! اگر آپ رمضان المبارک میں اس زریں اصول پر عمل کرنے میں کامیاب رہے تو سمجھئے کہ آپ کا رمضان بہت مبارک گزرا۔

پس چاہیئے کہ ہم میں سے ہر ایک اس مبارک گروہ میں شامل ہونے کے لئے کوشاں رہے جسے رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ مژدہ سنایا ہے کہ جو شخص رمضان میں حالتِ ایمان میں روزے رکھتا ہے اور ثواب کی نیت سے عبادت بجا لاتا ہے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

خدا کرے کہ ہم رمضان المبارک کے فیوض سے مستفیض ہوں ـــ اور خدا نہ کرے کہ رمضان کے گزرنے پر ہماری زبانِ حسرت سے پکار رہی ہو

عمر بُو ئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اس شمارہ کا خاص موضوع غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خُلقِ عظیم ہے

"ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے"

بڑھتی رہے ہمیشہ ہی طاقت خدا کرے ؞ جسموں کو چھو نہ جائے نقاہت خدا کرے
ٹل جائے جو بھی آئے مصیبت خدا کرے ؞ پہنچے نہ تم کو کوئی اذیت خدا کرے
سننے لگے وہ بات تمہاری بذوق و شوق ؞ دنیا کے دل سے دور ہو نفرت خدا کرے
پھیلاؤ سب جہان میں قولِ رسول کو ؞ حاصل ہو شرق و غرب میں سطوت خدا کرے
سایہ فگن رہے وہ تمہارے وجود پر ؞ شامل رہے خدا کی عنایت خدا کرے
ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ ؞ ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے

قائم ہو پھر سے حکمِ محمدؐ جہان میں
ضائع نہ ہو تمہاری یہ محنت خدا کرے

(کلامِ محمود)

"اے حافظِ قرآن" خدا حافظ و ناصر

جاتے ہو میری جان خدا حافظ و ناصر ؞ اللہ نگہبان، خدا حافظ و ناصر
ہر گام پہ ہمراہ رہے نصرتِ باری ؞ ہر لمحہ و ہر آن خدا حافظ و ناصر
والی ہو امصارِ علومِ دو جہاں کے ؞ اے "یوسفِ کنعان" خدا حافظ و ناصر
پہرہ ہو فرشتوں کا قریب آنے نہ پائے ؞ ڈرتا رہے شیطان۔ خدا حافظ و ناصر
ہر بحر کے غوّاص بنو لیک بایں شرط ؞ بھیگے نہیں دامان۔ خدا حافظ و ناصر
ہر پاک ہو اغیار سے دل پاک نظر پاک ؞ اے بندۂ سبحان۔ خدا حافظ و ناصر

محبوبِ حقیقی کی "امانت" سے خبردار
اے "حافظِ قرآن" خدا حافظ و ناصر

(درِّ عدن)

ادائیگی حقوق کے عظیم تعلیمی منصوبہ کا

پہلا تاریخی اجتماع

نامہ نگار خصوصی کے قلم سے

۱۳ رجون سنہ ۱۹۸۰ء کا دن جماعت احمدیہ کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ اس روز حضور نے اپنے عظیم الشان تعلیمی منصوبہ کے ماتحت یونیورسٹیوں میں نمایاں پوزیشنیں حاصل کرنے والے طلباء میں سونے کے تمغے اور انعامات تقسیم فرمائے۔ اس تقریب میں شمولیت کے لئے حضور ۱۲ رجون کو اسلام آباد سے ربوہ تشریف لے آئے تھے اور اسی روز انعام لینے والے ذہین طلباء بھی ربوہ پہنچ گئے اور ۱۳ رجون کو ربوہ میں اس تقریب کے لئے گہما گہمی عروج پر پہنچ گئی جبکہ بعض امرائے اضلاع بھی اس تقریب میں شمولیت کے لئے ربوہ پہنچ گئے۔ نماز عصر کے بعد ہی اس تقریب کے انتظامات شروع ہو گئے اور نماز مغرب سے بہت پہلے اہالیانِ ربوہ مسجد مبارک کی جانب رواں نظر آنے لگے۔ اور نماز مغرب پر حضور تشریف لائے تو مسجد مبارک انصار، خدام اور اطفال سے بھری ہوئی تھی۔ نماز پڑھانے کے بعد حضور کرسی پر رونق افروز ہوئے اور پھر قریباً ایک گھنٹہ تک اپنے خدام میں تشریف فرما رہے۔ آپ نے اس دوران تعلیمی منصوبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اس کے متعلق مختلف فیصلے سنائے۔ یونیورسٹی اور بورڈ کے امتحانوں میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے نونہالانِ احمدیت کو شرفِ مصافحہ و معانقہ بخشا۔ طلائی تمغے پہنائے اور قرآن کریم کے تحائف عطا فرمائے۔

اس تاریخی اجتماع کی کارروائی کا آغاز حضور کے ارشاد پر قاری عاشق حسین صاحب نے تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ ازاں بعد محترم چوہدری شبیر احمد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام سنایا۔ پھر حضور نے اپنا خطاب شروع فرمایا جس میں آپ نے تعلیمی منصوبہ کے بارہ میں جماعت کو بتلایا کہ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ذہین بچے کو جماعت سنبھالے اور دوسرا یہ کہ ہر بچے کو دسویں تک جماعت سنبھالے۔

حافظہ اور صحت کے لئے ایک نسخہ

حضور نے دورانِ خطاب سویا بین کی خصوصیات بتاتے ہوئے فرمایا کہ سویا بین میں سویا لیسی تھن (SOYA LECITHIN) کی مقدار ۲۴٪ ہوتی ہے اور یہ چیز حافظہ کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کے استعمال اور استفادہ سے طالب علم اپنا چالیس فی صد وقت بچا سکتا ہے۔ یعنی اگر کسی طالب علم کو کسی بات کے سمجھنے اور یاد کرنے میں ۱۰ گھنٹے صرف کرنے پڑتے ہوں تو اس کے استعمال سے وہ کام ۶ گھنٹے میں کر سکتا ہے۔

اہم بنیادی فیصلے

۱۔ اس منصوبہ کا آغاز ۱۳۵۹ھش مطابق ۱۹۸۰ء سے ہوگا۔ یعنی جن طلبہ کی کلاس کے نتیجہ کا اعلان ۱۹۸۰ء میں ہوگا اس کو ہی طلائی تمغہ یا ادائیگی حقوق طلباء کے تحت جو بھی مل سکتا ہو ملے گا۔

۲۔ اس منصوبہ کی دوسری تقریب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع اور تیسری تقریب جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء کے موقعہ پر ہوگی۔ ان میں ان طلبہ کو انعامات ملیں گے جن کی کلاسوں کے نتائج کا اعلان بالترتیب سالانہ اجتماع اور جلسہ سالانہ تک ہو چکا ہوگا۔

۳۔ بی اے / بی ایس سی آنرز میں چونکہ طلبہ بہت کم ہوتے ہیں اس لئے آنرز کے اسی اوّل، دوم اور سوم آنے والے طالب علم کو انعام ملے گا جس کے نمبروں کی شرح بی۔ ایس سی کے امتحان میں پوزیشنیں حاصل کرنے والے سے زیادہ ہو۔ تاہم بی۔ ایس سی آنرز میں غیر اہم مضامین میں سے صرف اوّل آنے والے کو انعام ملے گا اور دوم اور سوم آنے والوں کے انعامات کا معاملہ زیر غور ہے۔ حضور نے یہ بھی فرمایا کہ غیر اہم مضامین کے بارہ میں بعد میں وضاحت کی جائے گی۔

تمغہ جات کے ڈیزائن

حضور نے اوّل، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کے لئے تین تمغوں کا اعلان فرمایا تمغے کے ڈیزائن کی وضاحت کرتے ہوئے حضور نے سونے کا تمغہ ناظرین کو دکھایا تو فوٹو گرافر تصاویر لینے کے لئے لپک پڑے۔ حضور نے فرمایا:۔

۱۔ اوّل آنے والے کے لئے ۱۳ ملی میٹر قطر کے تمغہ میں ایک تولہ خالص سونا ہوگا۔ اس کے چہرہ پر مینارۃ المسیح کا نقش اور اس کی بالائی جانب دائیں بائیں صد سالہ جوبلی

منصوبہ کا ماٹو "حمد اور عزم" کا نقش ہوگا۔

اس کے نیچے آیۃ کریمہ ولا یحیطون بشیءٍ من علمہ الا بما شاء لکھی ہوگی

۲۔ دوم کا تمغہ بھی ۱۸ ملی میٹر قطر کا ہوگا لیکن اس میں سونا کی مقدار ۱½ تولہ ہوگی۔ اس کے چہرہ پر [illegible] رب ادنی حقائق الاشیاء ثبت ہوگی۔

باقی ڈیزائن اول والا ہی ہوگا۔

۳۔ سوم کے لئے ۱۸ ملی میٹر قطر کا تمغہ ۱ تولہ چاندی کا ہوگا۔ اس میں ڈیزائن حسب سابق ہوگا۔ صرف آیت وعلمکم ما لم تکونوا تعلمون ہوگی۔

ان ہر سہ تمغوں کی پشت پر رب زدنی علما، نیچے احمدیہ صد سالہ جوبلی اور انعام لینے والے کا نام، سال اور امتحان کا نام لکھا ہوگا۔

تمغوں کا ربن

حضور نے تمغوں کا ربن دکھاتے ہوئے احباب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ان تمغوں کے ساتھ ایک ربن بھی ہے جس کا رنگ سیاہ اور سفید ہے جو کہ لوائے احمدیت کے رنگ ہیں آپ نے ان رنگوں کے اختیار کرنے کا سبب بتاتے ہوئے فرمایا کہ آنحضورؐ نے ساری زندگی انہی دو رنگوں کے جھنڈے استعمال فرمائے چنانچہ آپ کی سنت میں ان دونوں رنگوں کو لوائے احمدیت کے لئے اختیار کیا گیا۔

چہ خوش قسمت نونہالانِ احمدیت

ان تفاصیل کے بیان کے بعد حضور نے فرمایا اب میں اس سال ابھی تک نکلنے والے نتائج میں اوّل، دوم اور سوم آنے والے طلباء کو یہاں بلاؤں گا۔ پہلے مصافحہ کرکے معانقہ کروں گا پھر انہیں تمغہ پہناؤں گا اور تفسیر صغیر انعام دوں گا۔ چنانچہ سب سے پہلے آفتاب احمد صاحب کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی کہ اس مجلس میں حضور کے ساتھ معانقہ کیا اور اپنا انعام حاصل کیا۔ آپ نے اوکاڑہ سے ایف۔ ایس سی کے امتحان میں ملتان بورڈ میں ۸۴۶ نمبر لے کر اوّل پوزیشن حاصل کی ہے جو ایک نیا ریکارڈ ہے۔

دوسرے خوش قسمت طالب علم کراچی کے نعیم الحق خان تھے جو کراچی یونیورسٹی میں ایم اے سائیکالوجی میں اوّل رہے۔

پھر محمد لئیق احمد دارالعلوم غربی ربوہ نے اپنا انعام حاصل کیا جو جام شورو یونیورسٹی میں ایم۔ اے پولیٹیکل سائنس میں اوّل آئے ہیں۔

اس کے بعد حضور نے عبدالقادر مبشر آف سندھ یونیورسٹی کو بلایا اور انعام عطا فرمایا جو بی ایس سی آنرز کے امتحان میں اوّل رہے پھر کراچی یونیورسٹی کے ساجد سلطان اور بشارت احمد کو بالترتیب ایم۔ ایس سی زوالوجی

میں دوم اور ایم-اے تاریخِ اسلام میں
سوم آنے پر انعامات عطا فرمائے بارک اللہ لھم
حضور نے ان تمام طلبہ سے طویل مصافحہ فرمایا جو کہ
اس تقریب کا سب سے زیادہ رُوح پرور منظر تھا۔
اسی بابرکت تقریب کے بعد خاکسار ان خوش قسمت
طلبہ میں سے صرف ۵ کے ساتھ رابطہ قائم کر سکا۔ ان سے
جو باتیں ہوئیں ہدیۂ قارئین ہیں:۔

۱- آفتاب احمد صاحب

۱۹ سالہ آفتاب احمد ابن محترم شیخ ارشاد
احمد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ اوکاڑہ ضلع
ساہیوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ مجلس خدام الاحمدیہ
اوکاڑہ کے ناظم اشاعت اور احمدیہ سٹوڈنٹس
ایسوسی ایشن اوکاڑہ کے سیکرٹری مال و تجنید
ہیں۔ آپ نے امسال گورنمنٹ ڈگری کالج
اوکاڑہ سے ایف ایس سی کی ہے اور ۸۲۶ نمبر
لے کر ملتان بورڈ میں اوّل رہے۔ اس سے قبل
میٹرک کے امتحان میں آپ ضلع بھر میں اوّل
رہے تھے۔

مَیں نے آپ سے پوچھا کہ آپ اپنی اس
کامیابی کا راز کیا سمجھتے ہیں؟ کہنے لگے حضرت
مسیح موعودؑ کا یہ شعر ؎

یہ سراسر فضل و احسان ہے کہ مَیں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

پھر بتایا کہ "میرے والد محترم نے میری تعلیم و
تربیت میں بہت زیادہ دلچسپی لی اور ۵۰٪ سے
زائد معلومات مَیں نے انہی سے حاصل کیں۔ مَیں نے
پوچھا "آپ کے روزانہ مطالعہ کا معمول کیا ہے؟"
کہنے لگے "طالب علم کا کام صرف مطالعہ کرنا
ہے۔ ہم پڑھیں نہ پڑھیں ہمارے پاس ہر وقت
کتابیں ضرور ہونی چاہئیں۔ میرا یہی طریق رہا۔
مَیں نے کبھی اپنے آپ پر دباؤ ڈال کر مطالعہ
نہیں کیا۔ البتہ میرے پاس ہر وقت کتاب ضرور
ہوتی خواہ میں بیمار ہی ہوتا تا جو فارغ
وقت ملے اس میں مطالعہ کیا جا سکے اور کوئی
فارغ وقت ضائع نہ ہو"۔

مَیں نے پوچھا "دورانِ مطالعہ جب کبھی
کسی بات کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی تو
آپ کیا کرتے"۔ کہنے لگے "مَیں اس کے پیچھے
پڑ جاتا اور نہ چھوڑتا جب تک کہ حل نہ ہو جاتی
پھر بھی حل نہ ہوتی تو کسی نماز میں اس کا
حل میرے ذہن میں ڈال دیا جاتا رہا۔ ایسے
مسائل میں مَیں نے اساتذہ سے کم ہی مدد
لی ہے"۔

"آپ مجلس خدام الاحمدیہ کے عہدیدار تھے،
کیا آپ کی پڑھائی میں یہ ذمہ داری کبھی حائل ہوئی؟"
"جس طرح کھانا پینا لازم و ملزوم ہیں اسی
طرح میرے نزدیک کالج کی پڑھائی اور دنیوی
کاموں کے ساتھ دین کی خدمت اور دینی کام
بھی بہت ضروری اور لازمی ہیں۔ جان سال

(باقی ص۴۷)

صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے قلم سے

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خلق عظیم

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران آیت ۱۴۷ تا ۱۴۹)

ترجمہ: اور بہت سے نبی (ایسے گزرے) ہیں جن کے ساتھ شامل ہو کر (ان کی) جماعت کے بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ پھر تو وہ ان (تکالیف) کی وجہ سے جو انہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں سست ہوئے نہ کمزوری دکھائی اور نہ تذلل اختیار کیا۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

سوائے اس کے انہوں نے کچھ (بھی) نہ کہا کہ (اے) ہمارے رب ہمارے قصور بخش اور اعمال میں ہماری زیادتیاں معاف فرما دے اور ہمارے قدموں کو مضبوط کر اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد کر۔

اس پر اللہ نے انہیں دنیا کا بدلہ (بھی) اور آخرت کا بہترین بدلہ (بھی) دیا۔ اور اللہ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضور کی سیرت کا موضوع ایک بے کنار سمندر ہے جس کا سفر کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ آپ کی سیرت کا ہر واقعہ تہ بہ تہ حسن اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لئے کئی بار بھی اگر ایک ہی واقعہ کو دہرایا جائے تو غور کرنے سے سیرت کا کوئی نہ کوئی نیا پہلو سامنے آجاتا ہے۔ گویا آنحضور کی ذات پر یہ شعر خوب صادق آتا ہے کہ:

جب کبھی دیکھا ہے تجھے عالم نو دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا

یعنی اے ہمارے محبوب ہم نے تو ہر دفعہ تجھے ایک نئی شان اور نئی آن بان کے ساتھ جلوہ گر پایا۔ ہر بار تجھے دیکھنے پر حسن کا ایک نیا عالم دیکھا۔ تیری سیرت کے بے کنار سمندر میں مشتاق آنکھوں کا سفر کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سپہ سالار کی حیثیت سے

پیشتر اس سے کہ غزوہ احد کی شدید آزمائشوں کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کا موضوع پر دوبارہ تذکرہ کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حالات پر کچھ نظر ڈالی جائے جن میں آپ کو یہ جنگ لڑنی پڑی اور آپ کی ان استعدادوں کا بھی کچھ ذکر چلے جو ایک عظیم سپہ سالار کی حیثیت سے اس غزوہ کے دوران اس شان سے ابھر کر سامنے آتی ہیں کہ دیکھنے والے کی نظر کو خیرہ کر دیتی ہیں اور تعجب سے نگاہ اس حیرت انگیز وجود کو دیکھتی ہے جو اول و آخر ایک مصلح تھا جسے جنگ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن جب حالات کی مجبوری نے اسے جنگ کے میدان میں لا کھڑا کیا تو اس میدان میں بھی سیادت کی ایسی نرالی شان اس سے ظاہر ہوئی جو معجزے سے کم نہیں۔

ہجرت کے تیسرے سال کا ذکر ہے۔ شوال کا مہینہ تھا۔ چاند اپنی بارہ منزلیں طے کر چکا تھا کہ اچانک یہ خوفناک خبر اہلِ مدینہ کو ملی کہ کفارِ مکہ کا ایک زبردست لشکر جو قریش کے چوٹی کے لڑنے والوں پر مشتمل ہے۔ مدینہ پر حملہ کی غرض سے سر پر آ پہنچا ہے۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ لشکر تین ہزار جوانوں پر مشتمل ہے جو ہر طرح سے ہتھیاروں سے آراستہ ہیں اور جنگ بدر کی ذلت آمیز شکست کا انتقام لینے کے لئے اس نیت سے گھر سے نکلے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو کلیتہً نابود کر دینے کے بغیر یہ واپس

لوٹیں گے۔ بکثرت اونٹوں کے علاوہ دو سو بہترین جنگی گھوڑے بھی ان کے ساتھ تھے جنہیں خاص اسی مقصد سے تربیت دے کر خوب تیار کیا گیا تھا۔ اس لشکر کی کمان ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جس کے نائبین میں افقِ حرب پر ابھرنے والا ایک ایسا جوہرِ قابل بھی تھا جسے آج ہم اللہ کی تلوار خالد بن ولیدؓ کے نام سے جانتے ہیں۔ لیکن جن دنوں کی ہم بات کر رہے ہیں ان دنوں ابھی یہ تلوار مالکِ حقیقی کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ خداوندانِ باطل اہلِ ہبل کے ہاتھ میں تھی۔ لشکرِ کفار کے دائیں بازو کے سالار اس نوجوان خالد کی بعد کی زندگی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسی حیرت انگیز جنگی استعدادوں کا مالک تھا کہ کم ہی ماؤں نے دنیا میں ایسے بچے جنے ہیں جو اس جیسے فنونِ حرب کے دھنی ہوں۔ خالد بن ولید ایک پیدائشی سپہ سالار تھے جو فنِ حرب کی حیران کن استعدادیں لے کر پیدا ہوئے اور ان تمام قائدانہ صلاحیتوں سے نوازے گئے جن کی میدانِ جنگ میں کسی قائد کو کسی رنگ میں ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ تمام زندگی خالد کو کوئی مدِّ مقابل ایسا نہ ملا جو ان کی حیرت انگیز شاطرانہ جنگی چالوں کو سمجھ سکا ہو۔ خالد میدانِ جنگ میں مہروں کی ایک ایسی بساط سجاتے تھے جسے کوئی مدِّ مقابل مات نہ دے سکا۔ بلاشبہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو تاریخِ عالم میں خالد کا ہم پلہ جرنیل شاذ ہی کوئی پیدا ہوا ہوگا۔ عظیم سلطنت روما اور عظیم تر فارس کے بڑے بڑے آزمودہ کار اور کہنہ مشق جرنیلوں

نے جب خالد سے زور آزمائی کی اپنی بے پناہ شان و شوکت اور لشکر آرائی کے باوجود وہ خالد کی قیادت میں لڑنے والی مٹھی بھر فوج کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھانے پر مجبور ہوئے۔ جب تک وہ زندہ رہا۔ حرب کی دنیا میں اس جیسا کسی نے کوئی اور نہ دیکھا جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ تو جریدہ عالم پر اپنی بے مثل سپہ گری کا ایسا نقش ثبت کر گیا جو دائمی اور انمٹ ہے۔ بے شک تاریخ عالم پر نظر دوڑا کر دیکھیں۔ اس جیسا زیرک اور حوصلہ مند اور جنگ کی باریک در باریک حکمتوں کو سمجھنے والا شاید ہی کوئی دکھائی دے جو بار بار بے سرو سامانی اور کم مائیگی کی حالت میں دنیا کی عظیم طاقتوں سے ٹکرایا ہو۔ اور ہر بار ان کی عظیم پُر ہیبت جمعیتوں کو ذلت ناک شکست دے کر پراگندہ اور پریشان کر دیا ہو۔ خالد کی یہ سب تعریف درست اور بے خطا ہے اس میں مبالغہ کا کوئی عنصر شامل نہیں۔ مگر ایک بار ہاں اس کی ساری زندگی میں صرف ایک بار اس ابھرتے ہوئے جرنیل کا مقابلہ دنیا کے کسی جرنیل سے نہیں بلکہ اللہ کے ایک بندے اور اس کے رسول محمدؐ سے ہوا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو دنیائے حرب کا نہیں بلکہ امن کی دنیا کا شہزادہ تھا۔ اُسے شمشیر و سنان اور تیر و تفنگ سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ وہ دنیا میں محض اپنے رب کا نور پھیلانے اور اس کی محبت کے لافانی گیت گانے کے لئے آیا تھا۔ وہ اس لئے آیا تھا کہ اس کی رحمت کے سائے افق تا افق محیط ہو جائیں اور کل عالم کے شرقی اور غربی، کالوں اور گوروں کو اپنی رحمت کے دامن اور ٹھنڈے سائے تلے لے لے۔ معرکہ اُحد کا دن خالد کی زندگی کا وہ سب سے تاریک دن تھا جب اس کا مقابلہ رب جلیل کے بندہ جلیل محمد مصطفیٰؐ سے اُحد کی سنگلاخ سرزمین پر ہوا۔ اس روز اس کی حکمت اور تدبیر کا سارا تانا بانا ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس کی ہر مخفی تدبیر اللہ کے اُس ذکی و فہیم بندے پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی جو بظاہر انسان کی آنکھ سے دیکھتا تھا لیکن فی الحقیقت اُسے خدا کا نور بصیرت عطا ہوا تھا۔

بلاشبہ خالد کو اپنی ساری زندگی کسی کے ہاتھوں کبھی ایسی ذلت اور خواری نصیب نہ ہوئی کہ اس کی ہر ماہرانہ چال کو سمجھ کر اس سے بہتر چال چل دی گئی ہو اور نمایاں عددی اکثریت اور غالب عسکری قوت کے باوجود وہ آخری غلبہ سے محروم کر دیا گیا ہو۔

سب سے اہم اور بنیادی اور سخت حیران کن بات جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی کو دی وہ میدان جنگ کے انتخاب سے تعلق رکھتی ہے۔

میدان کا تعجب انگیز انتخاب

مکہ مدینہ کے جنوب میں تقریباً اڑھائی صد میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بظاہر عقل یہی تقاضا کرتی ہے کہ مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے والا لشکر جنوب کی جانب سے مدینہ پر حملہ کرے گا۔ لیکن حملہ آور قریش سرداروں نے جن کے فیصلوں میں خالد بن ولید ایسے زیرک ماہر حرب کی رائے کو بڑا دخل تھا۔ مدینہ کے قریب

پہنچ کر سیدھا اس کی طرف بڑھنے کی بجائے اسے اپنے بائیں ہاتھ چھوڑ دیا اور مشرق کی طرف سے بڑھتے ہوئے تقریباً چار میل شمال میں پہنچ کر اُحد پہاڑ کے قریب پڑاؤ کیا۔ اس میدان کو منتخب کرنے کی وجوہات کی تفصیلی بحث تو تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہاں اس امر کا ذکر ضرور آتا ہے کہ لشکر کفار جہاں تھا وہاں انصار کی کھیتی باڑی کے میدان بھی تھے۔ اور کفار کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان کھیتوں کو اجاڑ نے جانے کی خبر سے اہل مدینہ مجبور ہو جائیں کہ شہر سے باہر نکل کر کفار کے منتخب کردہ میدان میں ان کا مقابلہ کریں مسلمانوں کو اپنے شہر سے چند میل کے فاصلے پر نکل کر لڑنے پہ مجبور کرنے میں بعض کھری فوجی چالیں مخفی تھیں اور متعدد فوائد حاصل ہونے کی توقع تھی۔ ان حکمتوں کے علاوہ غالباً ایک یہ بھی حکمت ان کے پیش نظر تھی کہ اس پوزیشن میں لڑنے سے کفار کے بھاگ اٹھنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہوتی تھی۔

جنگ بدر کی شدید ہزیمت کی یاد ابھی کفار کے دلوں میں تازہ تھی۔ اگر ان کے منہ مدینہ کی طرف ہوتے اور مکہ عقب میں ہوتا۔ تو جیسا کہ جنگِ بدر میں ہوا پیچھے فرار کی کھلی راہ دیکھ کر اس بات کا پورا احتمال تھا۔ کہ مسلمانوں کے شدید جوابی حملے سے بوکھلا کر ایک دفعہ پھر مشرکین مکہ راہِ فرار اختیار کرنے میں جلدی کرتے۔ لیکن مدینہ کو سامنے رکھ کر اور اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پہ رکھ کر یہ احتمال کم ہو جاتا تھا۔ مسلمان فوج سامنے ہونے کی صورت میں ان کو مغلوب کئے بغیر مکہ کی طرف بھاگنا ممکن نہ تھا۔ اور اگر مسلمان مغلوب ہو جاتے تو فرار کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔

اس سے بڑھ کر فائدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے اتنے فاصلے پہ آکر لڑنا پڑتا تھا کہ میدان جنگ مدینہ سے ملحق بھی نہ تھا اور اتنی دور بھی نہیں کہ اگر خطرہ درپیش ہو تو بھاگ کر مدینہ جانے کا خیال ہی دل میں پیدا نہ ہو سکے۔ اس صورتحال کے نتیجہ میں کفار کا یہ تخمینہ لگانا بعید از قیاس نہیں تھا کہ اگر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جائیں اور بھاگتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوں تو کفار بھی ان کے ساتھ ہی حملہ کرتے ہوئے مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ اور مدینہ کی چھتوں پر پتھر اس خیال سے جمع کئے گئے تھے کہ اگر دشمن شہر میں داخل ہو تو اس پہ عورتیں اور بچے شدید پتھراؤ کریں گے۔ وہ مقصد مسلمانوں کو حاصل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ جب دشمن کی فوج دفاعی فوج کے ساتھ ملی جلی شہر میں داخل ہو رہی ہو تو اس پہ پتھراؤ کرنا ممکن نہیں رہتا۔ دوسرا امکانی فائدہ کفار کو یہ پہنچ سکتا تھا اور غالباً یہی ان کا اصل مدعا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کا مکمل گھیراؤ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے پاس دو سو گھوڑے تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ پس اگر مسلمان مدینہ سے تین چار میل شمال کی جانب آکر لڑتے تو ان کے اور مدینہ کے درمیان اتنا فاصلہ رہ جاتا کہ ان کا عقب محفوظ نہ رہتا اور اہلِ مکہ کا گھوڑ سوار دستہ جب چاہتا بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان کے عقب میں پہنچ کر ان کو مکمل گھیرے میں لے لیتا۔ لازماً گھوڑ سوار

دستہ تھا یہ حملہ مسلمانوں کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ پس غالب گمان یہی ہے کہ ان کا دراصل یہی مقصد تھا۔ اگرچہ جس طرح وہ چاہتے تھے یہ مقصد بعینہٖ اسی طرح ان کو حاصل نہ ہوسکا لیکن شروع جنگ ہی سے خالد بن ولید کا بار بار گھوڑ سوار دستوں کے ساتھ مسلمانوں کے عقب میں پہنچنے کی کوشش کرنا صاف بتا رہا ہے کہ میدان کے اس انتخاب میں کفار کا اوّلین مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا جائے اور خالد بن ولید ہی اس سکیم کے بانی مبانی تھے۔ کیونکہ شروع سے آخر تک یہ دھن جنون کی طرح انہی پہ سوار رہی۔

بہرحال سالاران کفار نے اپنی دانست میں میدان کا ہر پہلو سے بہترین انتخاب کیا لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست کے سامنے ان کی یہ تدبیر اکارت گئی۔ کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کسی شہر کا کوئی دفاع کرنے والا ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اپنے شہر کی سمت تو خالی چھوڑ دے اور حملہ آور دشمن کے دوسری طرف جا کر ایسی پوزیشن اختیار کرے کہ اس کے اور اس کے شہر کے درمیان دشمن حائل ہو جائے۔ لہٰذا اسی خیال کو بعید از قیاس خیال کرتے ہوئے کفار مکہ نے اُحد کے بالکل دامن میں اترنے کی بجائے اتنے فاصلے پر پڑاؤ کیا کہ ان کے اور اُحد پہاڑ کے درمیان اتنی کھلی جگہ بچ گئی کہ جس میں بآسانی ایک اور لشکر بھی سما سکتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جائزہ کے لئے نمائندہ بھیجا تو اس کی رپورٹ پر آپ نے یہ حیرت انگیز فیصلہ فرمایا کہ مدینہ کی سمت خالی چھوڑ کر دشمن کے پرلی طرف پڑاؤ کیا جائے۔ لیکن اس ارادہ کو آنحضور نے مدینہ سے رخصت ہوتے وقت کبھی ظاہر نہ فرمایا بلکہ کچھ راستہ طے کرنے کے بعد صحابہ سے یہ سوال کیا کہ کون ہے جو ہمیں ایسے راستے سے دشمن کے پرلی طرف اُحد کے دامن میں لے جائے کہ دشمن کو اس کی خبر نہ ہو۔

یہ تو وہی بتا سکتا ہے جو تمام دنیا کی جنگی تاریخ پہ عبور رکھتا ہو کہ کیا کسی جگہ دنیا کے کسی جرنیل نے بھی ایسا غیر معمولی فیصلہ کیا کہ اپنے شہر کے راستے دشمن کے لئے خالی چھوڑ کر اس کی پرلی طرف اپنی فوج کو لے گیا ہو۔ اور لطف یہ کہ یہ فیصلہ ہر لحاظ سے درست ثابت ہُوا ہو۔ اور کھلا ہونے کے باوجود وہ شہر بھی دشمن کے حملہ سے محفوظ رہا ہو۔ جب تک کوئی انتہائی باریک نظر سے اپنی اور دشمن کی فوج کی تعینا تی کیفیات اور دیگر حقائق کا صحیح مطالعہ نہ کر چکا ہو۔ ایسا فیصلہ ناممکن ہے۔

جہاں تک میں نے نظر ڈالی ہے مجھے انسانی جنگوں کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی بظاہر یہ ایک خطرناک فیصلہ تھا۔ لیکن بنظر غائر دیکھو تو دراصل یہی وہ فیصلہ تھا جس نے لشکر قریش کے سب منصوبے خاک میں ملا دیئے اور جنگ کے شروع کے ایک دو گھنٹے ہی میں مسلمانوں کو ان پر ایک نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ اُحد کی لڑائی سے پہلے تو کسی کے وہم و گمان میں بھی اس کی حکمتیں نہیں آسکتی تھیں لیکن اب

جبکہ تاریخ نے بعد کے پیش آمدہ واقعات کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں صاف نظر آجاتا ہے کہ آنحضورؐ کا یہ فیصلہ فن حرب کی حکمتِ عملی کی ایک ایسی درخشندہ مثال ہے جس کی راہ میں اگر ایک اور ناگہانی روک حائل نہ ہو جاتی تو اس روز بغیر کسی قابلِ ذکر نقصان کے مسلمانوں کو کفار پر ایک فتح نمایاں نصیب ہو جاتی۔

اُحد کو اپنے عقب میں رکھ کر آنحضورؐ نے اپنی مختصر فوج کو جو دشمن کے تین ہزار جوانوں کے مقابل پر صرف سات صد تھی اور دو صد سواروں کے مقابل پر صرف دو سواروں پر مشتمل تھی، جنگی نوعیت کی متعدد فوقیتیں دلوا دیں۔

اوّل، یہ فیصلہ کشتیاں جلانے کے مترادف حالات پیدا کر رہا تھا، اس بات کا اعلان تھا کہ مسلمانوں کے لئے دورانِ جنگ مدینہ میں بغرض پناہ داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوئم: کفار کی سوار فوج کے لئے اپنی تیز رفتاری سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو گھیرے میں لینے یا عقب سے حملہ کرنے کا امکان ختم ہو گیا۔ صرف ایک درّہ مسلمانوں کی پشت پر ایسا تھا جس کے راستہ دشمن کے سوار مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ آور ہو سکتے تھے لیکن وہاں آنحضورؐ نے پچاس بہترین تیر اندازوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں اس ہدایت کے ساتھ متعین فرما دیا کہ تم نے ہر قیمت پر اس درّہ کی حفاظت کرنی ہے۔ یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کو فتح بھی ہو جائے تب بھی اس کی حفاظت کرنی ہے اور شکست ہو جائے تب بھی اس کی حفاظت کرنی ہے۔ یہاں تک کہ آنحضورؐ نے اس دستے کو وہیں جمے رہنے اور وہاں سے کسی حالت میں نہ ٹلنے کی ایسی سخت تاکید فرمائی اور حکم دیا کہ اگر تم یہ بھی دیکھو کہ مسلمانوں کی لاشوں کو کوّے اور چیلیں نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اس درہ کو نہیں چھوڑنا۔ اور جب تک میں خود اجازت نہ دوں یہاں سے نہیں ہٹنا۔ آغازِ جنگ ہی سے بار بار خالد بن ولیدؓ کا اس درّہ پر حملہ کر کے ان تیر اندازوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ شروع ہی سے خالد کی سکیم یہی تھی کہ مسلمانوں کے عقب سے ان پر حملہ کیا جائے اور اس دو طرفہ حملے سے انہیں کلیتہً نابود کر دیا جائے لیکن آنحضورؐ کے انتخاب میدان اور تیر اندازوں کی انتہائی برمحل تقرری کی بناء پر اس کی سب تدبیریں خاک میں مل گئیں۔

سوم: ایک احتمال یہ ہو سکتا تھا کہ کفارِ مکہ صورتحال سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں۔ مگر آنحضورؐ جانتے تھے کہ اوّل تو مدینہ کی تنگ گلیوں میں اس طرح داخل ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جبکہ چھتوں پر سے مسلمان عورتیں اور بچے پتھروں کی بارش برسا رہے ہوں۔ دوسرے ایسی صورت میں کفارِ مکہ خود دونوں طرف سے مصیبت میں گھر جاتے۔ ایک طرف سے مدینہ ان پر پتھراؤ کر رہا ہوتا تو دوسری طرف سے مسلمان ان کے عقب سے حملہ آور

ہوتے۔ آنحضورؐ کو مسلمانوں کی حمیت اور غیرت پر بھی کامل اعتماد تھا۔ اور جانتے تھے کہ اگر دشمن نے مدینہ کی طرف بدارادے سے نظر ڈالی تو صحابہ پہلے سے بڑھ کر جوش کے ساتھ ایسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر حملہ کریں گے جس کے بچوں کو خطرہ درپیش ہو۔

پس جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس احتمال سے پوری طرح باخبر تھے کہ دشمن مدینہ کو کھلا دیکھ کر اس پر حملہ کر سکتا ہے وہاں ایسی صورت میں اس سے مؤثر طور پر نپٹنے کے لئے بھی پوری طرح اور ایک ذرہ بھی اس بات سے مرعوب نہ تھے کہ آپ کی قلیل جماعت دشمن کی کثیر فوج کو کسی طرح مدینہ پر حملہ سے باز رکھ سکے گی۔ واقدی بیان کرتا ہے کہ جنگ احد کے فوراً بعد کفار کی فوج میدان چھوڑ کر بظاہر مکہ کی جانب کوچ کر گئی تو

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا کہ ذرا تم جاکر ان کی خبر لاؤ کہ یہ کوچ کرتے ہیں یا ہمیں دھوکہ دے کر کوچ کے بہانے سے مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں.... اور اس ذات پاک کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ لوگ مدینہ پر دھاوا کریں گے تو میں ان کے مقابلہ میں ضرور جاؤں گا اور انکی شرارت کا بدلہ انکو ابھی ہاتھوں ہاتھ چکا دونگا۔"

(شرح المغرب ترجمہ فتوح العرب ص۳۶۶)

پس ۲۳ مارچ ۶۲۵ء کو مطابق ۱۵ شوال ۳ھ جب قلیل التعداد مسلمان فوج اور کفار کی کثیر فوج میں ٹکر ہوئی تو آنحضورؐ کے اس انتہائی مدبرانہ جنگی اقدام کی فوقیت خوب کھل کر سامنے آگئی اور مسلمان اس یقین کی بناء پر خوب بے فکری اور بے جگری کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے کہ ان کا عقب پوری طرح محفوظ تھا یعنی پیچھے سے حملہ کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا۔ دوسری طرف کفار پر اپنی تدبیر کی ناکامی سے مایوسی سی چھا گئی اور صحابہ کے شدید حملے نے بہت جلد ان کے قدم اکھیڑ دیئے۔

افسوس کہ اس وقت درہ کے محافظین میں سے اکثر نے آنحضورؐ کی واضح ہدایت فراموش کر دی اور صحابہ کو فتح مند ہوتے اور دشمن کو شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دیکھ کر ان پچاس تیر اندازوں میں سے چالیس درہ چھوڑ کر پیچھے اتر آئے اور ان کی یہ غلطی مسلمانوں کی فتح مبین کو ایسے پرخطر حالات میں تبدیل کر گئی کہ اگر آنحضورؐ کی قیادت کی سعادت انہیں نصیب نہ ہوتی تو یقیناً ان کی یہ عارضی فتح ایک انتہائی ہولناک شکست میں تبدیل ہو جاتی۔ اور وہ سب کے سب اس روز صفحۂ ہستی سے نابود کر دیئے جاتے۔ ان حالات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی ابتدائی فتح کلیۃً آنحضورؐ کے حسن تدبیر اور آپ کی بابرکت قیادت کی طرف انگلی اٹھا رہی ہے وہاں یہ احتمالِ شکست بھی آنحضورؐ ہی کی عظمت کے گیت گا رہا ہے اور ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ بسا اوقات فتح و شکست کا انحصار لڑنے والی سپاہ کے جوش اور ولولے اور مادی قوت سے کہیں زیادہ ایک عظیم

سپہ سالار کی حکیمانہ قیادت اور اس کی غلامانہ اطاعت پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ خصوصاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت تو مسلمان کی فلاح کے لئے ایسی ضروری ہے جیسے سانس زندگی کے لئے۔ دیکھو! کس طرح آپ کی اطاعت نے جو شاندار فتح عطا کی تھی چند لوگوں کی چند لمحوں کی نافرمانی نے اُسے کیسی خوفناک شکست میں تبدیل کر دینے کے سامان پیدا کر دیئے۔ لیکن حقیقی زندگی کا یہ حیرت انگیز ڈرامہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا ایک اور منظر سے بھی پردہ اُٹھنا ابھی باقی ہے۔ جس میں ہم بظاہر انہونی بات کو ہوتا ہوا دیکھیں گے کہ صرف اور صرف ہمارے آقا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم کی برکت سے حالات نے ایک دفعہ پھر انقلابی پلٹا کھایا اور یہ یقینی شکست ایک بیّن فتح میں تبدیل ہو گئی۔ آپ بے شک تاریخ عالم کے سب اوراق کی ورق گردانی کر کے دیکھ لیجئے آپ کو ایک بھی مثال ایسی نظر نہیں آئے گی کہ کسی کثیر التعداد جماعت کو کسی قلیل التعداد جماعت پر کامل غلبہ کے اتنے یقینی حالات میسر آ گئے ہوں، لیکن پھر بھی وہ فتح سے محروم کر دی گئی ہو اور اس حال میں واپس لوٹے کہ گویا خائب و خاسر اور نامراد ہے اور انتقام کی آگ اُسی طرح اُس کے سینہ میں بھڑک رہی ہو جیسے پہلے تھی۔

جنگوں میں اونچ نیچ اور زیر و بم تو آتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن کم ہی کوئی مثال ایسی دکھائی دے گی کہ ایک ایسی شاندار فتح جو مسلمانوں کو آغاز اُحد میں نصیب ہوئی۔ ایک ایسی پُرخطر اور پُرآشوب شکست میں بدلتی دکھائی دے کہ ابھی چند ہی لمحے قبل جو فوج اپنے کامل غلبہ کا جشن منا رہی ہو وہ اچانک اس درجہ مغلوب اور بے بس اور پراگندہ اور بے ثبات ہو جائے۔ کہ اس کے صفحہ ہستی سے کلیتہً نابود ہونے کا خطرہ درپیش ہو۔

اُحد کے روز ایک ایسی ہی انقلابی تبدیلی رونما ہوئی جب اطاعت رسولؐ کے طفیل حاصل ہونیوالی فتح چند افراد کی حکم عدولی کے باعث یکایک ایک ایسی ہولناک شکست میں تبدیل ہو جانے کو تھی جو تاریخ انسانی کا رُخ پلٹ دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اللہ کی تقدیر تو جو چاہے کر سکتی ہے اور یہ اُسی کی تقدیر تھی جس نے بالآخر ان حالات کا رخ پلٹ دیا لیکن اگر محض ایک مؤرخ کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ان نگہبانوں کی غلطی جنہوں نے آنحضورؐ کی اجازت کے بغیر درّہ کی حفاظت چھوڑ دی تاریخ عالم کی سب سے زیادہ مہنگی اور ہلاکت خیز غلطی ثابت ہو سکتی تھی جس کے نتیجے میں اسلام اور اہل اسلام صفحۂ ہستی سے مٹ کر ایک قصہ پارینہ بن سکتے تھے اور دنیا ایک ایسی تاریکی میں ڈوب سکتی تھی جسے تا ابد پھر کوئی سورج روشنی بخشنے کے لئے طلوع نہ ہوتا۔ ایک ایسی تاریک رات بنی نوع انسان پر مسلط ہو جاتی جس کے چاند تارے بھی ہمیشہ کے لئے بجھ چکے ہوتے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان پچاس محافظین نے جب اپنے تئیں وہ مقصد پورا کر دیا جس کی خاطر

انہیں درہ پر مامور کیا گیا تھا اور دشمن کی یلغار کو اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے ناکام بنا دیا جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو مکمل فتح نصیب ہو چکی ہے اور وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہیں جب انہوں نے محسوس کیا کہ اب مزید اس درہ پر پہرہ کھڑے رہنا ایک فعل عبث ہے تو ان میں سے اکثر کے دل پھسل گئے اور اپنے سردار حضرت عبداللہ بن جبیرؓ سے حجت کرنے لگے کہ اب درہ چھوڑ کر نیچے اتر جانا چاہیئے۔ اور مال غنیمت میں حصہ لینا چاہیئے۔ انہوں نے بہت سے دلائل دیئے کہ آنحضورؐ کا اصل مدعا تو پورا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب درہ کو خالی چھوڑ دینا آپؐ کے منشاء کے خلاف نہیں لیکن حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کی ایک نہ مانی اور اس تجویز کو یہ کہہ کر صاف ٹھکرا دیا کہ یہ آنحضورؐ کی ہدایات کے صریح خلاف ہے۔ افسوس کہ اجازت مانگنے والوں کے سر میں اس وقت کچھ ایسا سودا سما یا کہ اپنے سردار کی اجازت کے بغیر ہی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ صرف چند جاں نثار اور وفا کیش صحابہ اپنے سردار کے ساتھ اطاعت رسول کی برکت سے فوز عظیم پانے کے لئے پیچھے رہ گئے۔

اس وقت اگرچہ کفار کی فوجیں ایک عام بھگدڑ مچ چکی تھی اور کیا پیادہ اور کیا گھوڑ سوار سبھی میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خالد کے دل کی یہ حسرت ابھی باقی تھی ہر قیمت پر پوری ہو کہ کسی طرح اسی درہ پر قبضہ حاصل ہو جائے جو فتح و شکست کا فیصلہ کن دروازہ بنا ہوا تھا۔ خالد خوب جانتا تھا کہ جب تک یہ دروازہ قائم ہے قریش حملہ آور فتح کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھاگتے ہوئے بھی بار بار مڑ مڑ کر اس درہ پر لالچ بھری نگاہیں ڈال رہا تھا۔ اچانک اس نے یہ دیکھا کہ درہ کے محافظین کی اکثریت جگہ خالی کر گئی ہے اچانک اس کے دل کی مراد بر آئی۔ اور اس کی تیز عقابی نظر نے بھانپ لیا کہ جوابی حملہ کا وقت آ پہنچا ہے۔ سالاران جیش کی زندگی میں شاذ ہی ایسے سنہری موقع آتے ہیں جیسے اس وقت خالد کو نصیب ہوا۔ چنانچہ اس نے دفعۃً اپنے گھوڑ سوار دستے کا رخ پلٹ دیا۔ اور اطاعت اور وفا کے پتلے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں کو شہید کرتا ہوا مسلمانوں کی پشت پر حملہ آور ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کفار کی دوسری بھاگتی ہوئی فوج بھی رک گئی اور اٹھا پٹخ کر نئے سرے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی۔ پس اچانک انہوں نے دونوں طرف سے مسلمانوں کو بے خبری کے عالم میں جا لیا۔ یہ دو طرفہ حملہ ایسا شدید اور اچانک تھا کہ اس نے صحابہ کو صف بندی کا موقعہ ہی نہ دیا اور بالخصوص مسلمانوں کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ پھر ٹھہرنے کا نام نہ لیتے تھے۔ آنحضورؐ چند صحابہ کے ساتھ میدان وغا کے وسط میں باقی لشکر سے کٹ کر الگ ہو چکے تھے۔ اس وقت دشمن کا سارا دباؤ یہیں کی طرف مرکوز ہو گیا اور چاروں طرف سے طوفانی لہروں کی طرح ایک کے بعد دوسری یلغار ہونے لگی۔

لڑائی کے میدان میں یہ حیرت انگیز ڈرامائی تبدیلی اگرچہ بڑے پُردرد مناظر پیش کرتی ہے اور عشاقِ رسول کے سینوں پر درد کے آرے چلانے لگتی ہے لیکن ساتھ ہی آنحضورؐ کی عظمت اور رفعتِ شان کے ایسے مناظر بھی دکھاتی ہے کہ نظر حیرت سے اس رفیع الشان وجود کو دیکھتی ہے جو ناممکن الوجود دکھائی دیتا ہے لیکن عالمِ خلق میں اس سے بڑھ کر یقینی اور کوئی وجود نہیں۔ وہ جن کی صفات بشریت سے بالا نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت وہ بشریت ہی کا معراجِ کمال تھا، جو نور میں مدغم ہو کر نورِ مجسم بن چکی تھی

لیکن فی الوقت ذکر آپ کی استعدادوں کا چل رہا ہے جو بحیثیت سپہ سالار اُحد کے روز آپ کے وجود باجود میں ایک امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوئیں۔ کسی سالارِ جیش کی استعدادوں کے امتحان کا اصل وقت تو اس وقت آتا ہے جب جنگ کا پلڑا پورے بوجھ کے ساتھ دوسری طرف جھک جائے اور اپنے پلڑے میں کچھ بھی وزن نہ رہے جب تمام حالات کی تقدیریں بدل جائیں اور تمام موجبات مخالفانہ ہو جائیں۔ ایسے وقتوں میں عموماً سپہ سالار کی عظمت اسی امر میں بیان کی جاتی ہے کہ وہ سپاہیوں کی بھگدڑ سے بے نیاز تنہا میدانِ جنگ میں کود پڑے اور گو جسم پارا پارا ہو گیا ہو لیکن اپنے عزمِ آہنی پر خراش تک نہ آنے دے۔ اس قسم کے واقعات تو جنگوں کی تاریخ میں بار ہا ملتے ہیں لیکن ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی جرنیل اپنی جان کی بازی اس عزم اور ہمت اور حکمت اور تدبر کے ساتھ لگا دے کہ میدانِ جنگ کی تقدیر بدل کر رکھ دے اس روز اُحد کے میدان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت میں یہی معجزہ رونما ہوا۔ اور بڑی منفرد شان کے ساتھ رونما ہوا۔ جیسے مخالفانہ حالات اچانک اُحد کے روز آنحضورؐ کو پیش آئے ایسے حالات میں جنگ کی تقدیر کو ایک بار پھر پلٹ دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ذرا دیکھو تو یہی کہ اس وقت سردارانِ قریش کو مسلمانوں کے مقابل پر کیسی کیسی فوجی برتری حاصل تھی۔ وہ ایک ایسا موقع تھا کہ بڑے بڑے ماہرینِ حرب کی قیادت میں دو سو گھوڑ سوار زرہ پوش نیزہ بردار جوان اور تین ہزار شمشیر بکف آزمودہ کار سپاہی ایک ایسی فوج کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اور نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے جو تعداد میں ان سے بہت کم تھی جو ہتھیاروں اور ساز و سامان میں ان سے بہت کم تھی۔ وہ کم تعداد اور کم سامان ہی نہیں تھی بلکہ اس کی جمعیت بھی ٹوٹ کر ایسی پراگندہ اور پریشان ہو چکی تھی جیسے چینی کا پیالہ ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ وہ تو ایسے بکھرے اور پراگندہ ہو چکے تھے کہ بیشتر کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں اور کس حال میں ہیں۔ دشمن کے اس شدید جوابی حملہ کے وقت حضورؐ کے گرد جو چند صحابہ رہ گئے تھے وہ بھی حملہ آوروں کی کثرت سے بکھر جاتے۔ بسا اوقات دور دور تک نکل جاتے یا اُن کے نرغے میں پھنس کر وہیں شہید ہو جاتے تھے کہ آنحضورؐ بعض اوقات بالکل

اکیلے رہ جاتے یا صرف وہ فدائی آپ کے ساتھ ہوتے آنحضور کے چوگرد اُس وقت جنگ نے ایسی ہولناک شدت اختیار کر لی تھی کہ کسی مددگار کا آپ کے قریب پہنچنا یقینی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اُحد کی سرزمین سے قریش حملہ آوروں کی للکار اور بپھری ہوئی قریش کی عورتوں کے رزمیہ اشعار سے ایک دہشتناک شور بلند ہو رہا تھا۔ یہ وہ عورتیں تھیں جن کے سینے جنگ بدر کے مقتولوں کی یاد میں جوشِ انتقام سے ہنڈیا کی طرح اُبل رہے تھے۔ وہ یہ عزم لے کر نکلی تھیں کہ ان کا بس چلے تو غازیانِ بدر کے کلیجے نکال کر چبا جائیں۔ خالد بن ولید کی قیادت میں دو سو جنگجو سواروں کا دستہ مسلمانوں کی بکھری ہوئی پیادہ فوج کو گھوڑوں کے سموں تلے روندنے اور نیزوں میں پرونے میں مصروف تھا ان کے بپھرے ہوئے جنگی گھوڑوں کے ہنہنانے اور زمین پر ان کی ٹاپوں کی آواز سے ایک وحشت ناک آواز بلند ہو رہی تھی۔ ان سب مصیبتوں پر سوا یہ کہ کسی دشمن نے اچانک بآوازِ بلند یہ نعرہ لگایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ اس شدید مصیبت کے وقت میں یہ اعلان مسلمانوں کے دلوں پر بجلی کی طرح گرا اور مجاہدین کا وہ حصہ جو پہلے ہی خوفزدہ اور سراسیما ہو چکا تھا۔ یہ سن کر میدان سے فرار اختیار کر گیا۔ یہاں تک اس پر دہشت اور سراسیمگی کا عالم طاری تھا کہ قرآن کریم کے مطابق آنحضور ان بھاگنے والوں کو پیچھے سے بلاتے رہے لیکن انہوں نے مڑ کر نہ دیکھا۔

عزم و حوصلہ، اعلیٰ اخلاق، بلند نظریات اور عظیم قائدانہ صلاحیتوں کی آزمائش کا یہی وقت ہوا کرتا ہے جبکہ مصائب کی یورش بڑے بڑے صاحب عزم انسانوں کے حوصلے پست کر دیتی ہے اور مصائب کی چکی ان کی ہمتیں پیس ڈالتی ہے۔

لیکن آنکھ تعجب سے اس بات کا نظارہ کرتی ہے اور عقل حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے جب یہ دیکھتی ہے کہ سرداران مکہ کو ان تمام جنگی فوقیتوں کے باوجود اور اپنی تمام بے پناہ استعدادوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک محمد مصطفیٰؐ پر فتح نصیب نہ ہوئی۔ ہاں وہ ایک ہی تو تھا میرا محبوب آقا لاثانی رسول جو ابدی زندگی کا حامل تھا۔ وہ ایک ہی تو تھا لاثانی و تنہا اُحد کے میدان کا وہ بے مثل دلیر مرد کامل، بار بار رسالت کا جھنڈا بلند کئے ہوئے اس حال میں اکیلا پایا گیا کہ غل مچاتی ہوئی مصیبتوں نے ہر طرف سے اُسے گھیرے میں لے رکھا تھا لیکن وہ آسیب بیابانی کی طرح واویلا کرتی ہوئی ناکام اور خائب و خاسر لوٹ جاتی ہیں۔ مگر اس بطلِ جلیل مردِ میدان عظیم خدا کے عظیم بندے محمدؐ کے عزم کو لرزاں و ترساں نہ کر سکیں۔ وہ سر بفلک پہاڑوں کی طرح غیر متزلزل تھا۔ اس کے پائے ثبات لغزش کے نام سے ناآشنا تھے۔ خوف و ہراس اس کے قدموں کی ٹھوکر سے پارہ پارہ ہو جاتے تھے۔ وہ یکہ و تنہا مہیب خطرات میں کھڑا ہوا مسکراتا جاتا تھا۔ عکرمہ کا جوشِ انتقام اس کا کچھ بگاڑ نہ سکا ابو سفیان کا

غیظ و غضب جو آگ بن کر بھڑک گیا۔ خالد کی ساری
کوششیں بے کار گئیں۔ اس کی ساری استعدادیں
مفلوج ہو گئیں وہ اس حال میں میدان اُحد سے لوٹا
کہ جنگ کے بنیادی مقاصد میں سے کچھ بھی حاصل نہ
ہو سکا تھا۔ موت کی ان ہولناک یورشوں سے محمد
مصطفیٰ ؐ کا زندہ نکل آنا گویا کفار کی سب امنگوں
اور آرزوؤں کی موت تھی لشکر اسلام کا پھر اس
طرح دب کر ابھر آنا اور بکھر کر مجتمع ہو جانا کہ میدان
جنگ پر دو دن تک وہی قابض رہے جب کہ
بظاہر جیتا ہوا دشمن کوچ کر چکا تھا۔ کبھی کسی نے
ایسی فتح و شکست پہلے نہ دیکھی تھی۔ پھر دیکھو کفار
کی یہ کیسی فتح تھی کہ مسلمانوں کی مغلوب فوج کفار
کی جیتی ہوئی فوج کا تعاقب کرتی ہوئی کوسوں دور
نکل جاتی ہے۔ کئی منزلیں طے کرتی ہوئی اس کا
پیچھا کرتی ہے لیکن اس جیتی ہوئی فوج کو یہ
حوصلہ نہیں ہوتا کہ مڑ کر اس زخمی شکار کا قضیہ
چکا سکے۔ جیسے وہ اپنی دانست میں ادھ موا کر کے
پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ جنگ اُحد کے دوسرے
ہی روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے زخمی لشکر کو
دشمن کے تعاقب کا حکم دینا ایک ایسا حیرت انگیز
واقعہ ہے کہ تاریخ عالم کی ورق گردانی کر کے دیکھ
لو تمہیں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آئے گی جنگ و
جدال کی دنیا میں حکمت و فراست اور جرأت کا
یہ ایک ایسا شاہکار ہے جو تاریخ کے افق پر سورج
کی طرح چمک رہا ہے تنہا۔ روشن اور بے نظیر۔

غزوہ اُحد کے حالات کا کسی قدر تفصیلی جائزہ
آئندہ صفحات پر پیش کیا جا رہا ہے۔ قارئین جب
ان واقعات سے گزر کر شام احد تک پہنچیں گے
تو اس وقت اس امر کا جائزہ لینے کا صحیح موقع
پیش آئے گا کہ آنحضورؐ کا یہ فیصلہ کس قدر
حیرت انگیز اور عقل کے لئے لاینحل تھا کہ آپ
لشکر اسلام کو یہ حکم صادر فرما دیتے ہیں کہ دشمن کا
دُور تک تعاقب کیا جائے گا۔ لیکن کسی نئے سپاہی
کو ساتھ شامل ہونے کی اجازت نہیں دیتے فیصلہ یہ
ہے کہ صرف وہی مجاہدین اس تعاقب میں حصہ لیں گے
جو غزوہ احد میں شرکت کر چکے تھے۔ آنحضورؐ کا یہ
اقدام اس طرح باریک نظر سے تجزیہ کا محتاج ہے جس
طرح بھنورا پھولوں سے چمٹ کر ان کے تہہ بتہہ حسن
کا جائزہ لیتا ہے۔

اسی دن لڑائی کے اختتام پر حالت یہ تھی کہ
ایک طرف تو مسلمان مجاہدین جسمانی طور پر ہی نہیں
جذباتی اور نفسیاتی طور پر بھی شدید زخمی تھے تو دوسری
طرف لشکر کفار ایک ظاہری فتح کے باوجود سخت ناکامی
اور نامرادی کا احساس لئے ہوئے لوٹ رہا تھا۔ جوں
جوں کفار مکہ اس امر کا جائزہ لیتے تھے کہ جنگ کے
اختتام پر انہوں نے کیا پایا اور کیا کھویا تو پہلے
سے بڑھ کر اس بات کے قائل ہوئے جاتے تھے کہ
عملاً ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آیا۔ نہ آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو مارنے میں کامیاب ہو سکے۔ نہ فتح مدینہ

نصیب ہوئی ۔ نہ مسلمانوں کے اموال ان کے ہاتھ آئے اور نہ مسلمان عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا سکے ہر چند کہ مسلمان شہداء کی تعداد ان کے مرنے والوں سے زیادہ تھی۔ لیکن تنہا یہی فوقیت ان کے کھولتے ہوئے سینوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کافی نہ تھی۔

پس غلبہ کا وقتی نشہ اتر جانے کے بعد جب ٹھنڈے دل سے انہوں نے اپنے نفع نقصان کا جائزہ لیا تو احساس فتح احساس نامرادی میں بدل گیا اور اس نامرادی کی تلخی اس حد تک بڑھی کہ بالآخر انہوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں پر ایک مرتبہ پھر شدید حملہ کیا جائے اور جب تک مدینہ مکمل طور پر فتح نہ ہو جائے اور مسلمانوں کا پوری طرح استیصال نہ ہو جائے واپس مکہ نہ لوٹا جائے۔ اس ارادہ کے ساتھ انہوں نے چند منزلوں کے فاصلے پر پڑاؤ کیا اور نئے حملہ کے بارہ میں باہم مشورے ہونے لگے۔

اب دیکھو! کیا یہ حد سے زیادہ تعجب کی بات نہیں کہ جس دشمن کو نیم جان اور کمزور اور بدحال سمجھ کر وہ اس کی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے اور مکمل طور پر اُسے نابود کر دینے کے ارادے لئے ہوئے باہم مشوروں میں مشغول تھے وہی زخمی اور لاچار دشمن خود ایک شکاری کی طرح ان کے تعاقب میں چلا آیا تھا۔ اور کھلے میدان میں پڑاؤ کر کے ان کی واپسی کا منتظر تھا جنگ اُحد کے دوسرے ہی روز آنحضور کا مجاہدین اسلام کو مجتمع کر کے دشمن کے پیچھے دُور

> "یہ عجب نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔" (حقیقۃ الوحی)

تک نکل جانا اور تین دن ایک کھلے میدان میں اس کے انتظار میں پڑاؤ کئے رہنا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر غور کرنے سے آنحضورؐ کی بصیرت اور سیرت کے بعض نہایت لطیف اور دلنشین پہلو سامنے آتے ہیں۔

(۱) مسلمانوں سے احساس شکست کو کلیۃً مٹانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی اقدام ممکن نہ تھا کہ انہیں بلا توقف از سر نو مقابلہ کے لئے میدان قتال میں لے جایا جائے۔

(۲) تازہ دم نوجوانوں اور نئے مجاہدین کو ساتھ چلنے کی اجازت نہ دے کر آنحضور نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ آپ ظاہری اسباب پر بھروسہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے اس دعویٰ اور یقین میں سچے تھے کہ آپ کا اصل توکل اپنے رب پر ہی ہے اور وہ یقیناً آپ کی نصرت پر قادر ہے۔

(۳) اس فیصلہ کے ذریعے آپ نے اپنے ان صحابہ کی دلداری فرمائی جن کے پاؤں میدانِ اُحد میں اُکھڑ گئے تھے۔ اور ان پر اس مکمل اعتماد کا اظہار

فرمایا کہ وہ درحقیقت پیٹھ دکھانے والے نہیں تھے بلکہ اچانک ناگزیر حالات سے مجبور ہو گئے تھے۔

جہاں تک میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ انسانی جنگوں کی تاریخ میں ایک بھی مثال ایسی نظر نہیں آتی کہ کسی جرنیل نے اپنی فوج پر اتنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہو جبکہ وہی فوج صرف چند گھنٹے پہلے اُسے تنہا چھوڑ کر میدان سے ایسا فرار اختیار کر چکی ہو کہ چند جانثاروں کے سوا اس کے پاس باقی کچھ نہ رہا ہو۔

بلاشبہ ہر ایسے موقعہ پر ہمیں بالکل برعکس معاملہ نظر آتا ہے اور یہی دیکھتے ہیں کہ بھاگے ہوئے سپاہیوں پر نہ صرف یہ کہ اعتماد نہیں کیا جاتا بلکہ چن چن کر ان کو فوج سے الگ کر کے سزائیں دی جاتی ہیں۔ اور بھگوڑوں کی صف میں کھڑا کر کے ذلیل وخوار کیا جاتا ہے اور ان کی جگہ تازہ دم نئے سپاہیوں کو پیش آمدہ معرکوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

(۴) یہ امر کہ آنحضورؐ کا یہ سو فی صدی اعتماد درست تھا۔ اور کوئی جذباتی فیصلہ نہ تھا۔ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ بلا استثناء اُحد کے وہ سب مجاہدین پورے عزم اور جوش کے ساتھ اس انتہائی خطرناک مہم میں حضورؐ کے ساتھ شامل ہوئے جن میں چلنے پھرنے کی سکت موجود نہ تھی اور کسی ایک نے بھی یہ کہہ کر منہ نہ موڑا کہ یہ مہم خودکشی کے مترادف ہے اور یہ اعتراض نہ کیا کہ ایک دفعہ بمشکل جان بچانے کے بعد پھر اسی قوی اور جابر دشمن کے چنگل میں از خود پھنس جانا کہیں کی دانائی نہیں۔ پیچھے ہٹنے کا تو کیا سوال صحابہ کے جوش کا تو یہ عالم تھا کہ دو زخمی بھائیوں نے آپس میں یہ باتیں کیں کہ اگرچہ ہم سخت زخمی ہیں اور چلنا تک دوبھر ہے اور ہمیں اجازت بھی ہے کہ ہم پیچھے رہ جائیں لیکن چونکہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کا ارشاد ہے کہ وہی مجاہدین دشمن کے تعاقب میں نکلیں جو غزوہ احد میں شامل تھے اس لئے پیچھے بھی نہیں رہا جاتا آخر باہم مشورہ کے بعد انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ خواہ گرتے پڑتے ٹھوکریں کھاتے بھی جانا پڑے آنحضورؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ اس طرح حضورؐ کے لشکر میں پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے کہ نسبتاً زیادہ زخمی بھائی جب اتنا لاچار ہو جاتا کہ ایک قدم اٹھانا بھی دوبھر ہو جاتا تو نسبتاً کم زخمی بھائی کچھ دور اُسے پیٹھ پر لادے ہوئے لے جاتا۔ غرضیکہ اسی طرح گرتے پڑتے وہ آنحضورؐ کے پیچھے پیچھے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔

دُنیاوی جنگوں کی تاریخ میں آپ نے کئی ایسے واقعات پڑھے ہوں گے کہ ایک زخمی سپاہی دوسرے زخمی ساتھی کے لئے بڑے ایثار کا نمونہ دکھاتا ہے اور اُسے بچانے کے لئے خود اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے لیکن کیا کبھی ایسا نظارہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک زخمی بھائی اپنے دوسرے زخمی بھائی کو اس طرح پیٹھ پر لادے ہوئے موت سے دور نہیں بلکہ موت کے منہ میں لئے جاتا ہو محض اس لئے کہ اس کے محبوب سالارِ جیش کے منہ سے نکلا ہوا حکم لفظاً لفظاً پورا ہو۔

پس آنحضورؐ کے غلاموں نے آپ کے اعتماد

کو جس طرح اپنے عمل سے سچا کر دکھایا اس سے جہاں ان کی عظمتِ کردار کا پتہ چلتا ہے وہاں آنحضورؐ کی بے خطا فراست کو بھی ایک عظیم خراجِ تحسین ملتا ہے کبھی کسی آقا نے اپنے غلاموں کی مخفی قلبی کیفیات کو اس صفائی اور فصاحت کے ساتھ نہیں جانچا جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کے دلی حالات کو دیکھا اور سمجھا۔

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی پر تلوار نہیں اٹھائی بجز ان لوگوں کے جنہوں نے پہلے تلوار اٹھائی اور سخت بے رحمی سے بے گناہ اور پرہیزگار مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور ایسے دردانگیز طریقوں سے مارا کہ اب بھی ان قصوں کو پڑھ کر رونا آتا ہے۔"

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص)

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُحد کے دوسرے دن ہی دشمن کے تعاقب کا فیصلہ اپنے ساتھیوں پر ایک ایسا عظیم احسان ہے کہ کبھی کسی سالار نے اپنی فوج پر نہیں کیا کہ ان کے زخمی کردار کو آن کی آن میں ایسی کامل شفا بخش دی ہو۔

اللھم صلّ علی محمد و علی
آل محمد و بارک و سلم
انک حمید مجید۔

(۴)۔ بعد کے واقعات سے ثابت ہے کہ آنحضور کا یہ اقدام محض نفسیاتی اور اخلاقی فوائد کا حامل ہی نہیں بلکہ فوجی نقطہ نگاہ سے بھی انتہائی کارآمد ثابت ہوا۔ اور اس سے دشمن ایک اور شدید تر حملے سے باز آگیا بلکہ اسی حال میں واپس لوٹا کہ فتح کی ترنگ کی بجائے شدید طرح مرعوب ہو چکا تھا۔ پس بغیر مزید نقصان کے آنحضور نے محض اپنی حکمت اور تدبر کے طفیل متعدد عظیم الشان فوائد حاصل کئے۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب آنحضور حمراء الاسد میں دشمن کے انتظار میں خیمہ زن تھے تو ادھر ابوسفیان کا لشکر کچھ دور روحاء کے مقام پر از سر نو حملہ کرنے کا عزم کئے ہوئے آخری تیاریوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں روحاء کے میدان سے ایک شخص معبد خزاعی کا گذر ہوا جو خزاعہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور آنحضور سے بہت متاثر تھا۔ اس نے جب لشکر اسلام کا یہ عزم و جوش دیکھا تو اس کے دل پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ وہ وہاں سے سیدھا لشکر کفار کے پاس روحاء پہنچا اور ابوسفیان کو متنبہ کیا کہ خبردار اس لشکر سے ہر قیمت پر اپنے آپ کو بچاؤ جسے میں حمراء الاسد میں دیکھ کر آیا ہوں۔ ان میں عزم و ہمت اور جوش انتقام کے وہ آثار میں نے دیکھے ہیں کہ تم کسی طرح ان سے بچ نہیں سکو گے۔ جب ابوسفیان نے یہ سن کر جواب دیا کہ ہم تو ان پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کئے بیٹھے ہیں تو معبد نے کہا میں ہر صاحب عقل کو اس سے باز رہنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ اور مزید کہا کہ محمد (مصطفیٰ) کے لشکر سے متاثر ہو کر میں نے کچھ اشعار بھی کہے ہیں جو تمہیں سنائے دیتا ہوں۔ جو اشعار اس نے پڑھے ان میں آنحضور اور آپ کے ساتھیوں کو دراز قد شریف الاصل شیروں سے تشبیہ دی اور کہا:

فَظَلْتُ عَدْوًا أَظُنُّ الأَرْضَ مَائِلَةً
لَمَّا سَمَوْا بِرَئِيسٍ غَيْرِ مَخْذُولِ
فَقُلْتُ وَيْلَ ابْنِ حَرْبٍ مِنْ لِقَائِكُمُ
إِذَا تَغَطْمَطَتِ الْبَطْحَاءُ بِالْخَيْلِ

یعنی میں دہشت زدہ شیروں کو دیکھ کر تیزی سے دوڑا اور اس وقت زمین مجھے ایک طرف جھکتی ہوئی معلوم ہوئی جب میں نے ان کو ایک عظیم سردار کی معیت میں آگے بڑھتے دیکھا جو کبھی شکست نہیں کھاتا۔

میں نے کہا کہ ہلاکت ہو لڑائی کا بیٹا (ابوسفیان)

جب وہ تم جیسوں سے تصادم کرے۔ یہ بات میں نے اس وقت کہی جب بطحا کی زمین ان جیالے گروہوں کی وجہ سے جوش سے بھری ہوئی تھی ۔

ابوسفیان نے جب معبد خزاعی کے یہ اشعار سُنے تو اس کا دل ڈول گیا۔ اور بالآخر باہم مشوروں کے بعد سردار قریش نے خیریت اسی میں جانی کہ لڑائی کا ارادہ ترک کر کے مکہ کی طرف لوٹ جائیں۔

ہرچند کہ غزوات نبوی پر نظر ڈالنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احسن بے مثل استعدادوں پر بھی حیران کن روشنی پڑتی ہے جو بحیثیت ایک سالار جیشی آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں لیکن آنحضورؐ کی اوّل و آخر حیثیت ایک جنگی ماہر کی نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور روحانی سردار کی تھی جس کے ہاتھوں میں مکارم اخلاق کا جھنڈا تھمایا گیا تھا۔ اعلیٰ اخلاق کا جھنڈا بلند رکھنے اور بلند تر کرتے جانے کے جس عظیم جہاد میں مصروف تھے۔ وہ ایک مسلسل کبھی نہ ختم ہونے والا ایک ایسا جہاد تھا جو امن کی حالت میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ جیسے جنگ کی حالت میں دن کو بھی آپ نے اس علَم کی حفاظت کی اور رات کو بھی۔ دشمن بارہا آپ کو اور آپ کے صحابہ کو شدید جسمانی ضربات پہنچانے اور المناک چرکے لگانے میں کامیاب ہو جاتا رہا۔ مگر اس علم اخلاق پر آپ نے کبھی ادنیٰ سی آنچ نہ آنے دی اور اس کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیا۔ اس وقت بھی یہ جھنڈا آپ کے مقدس ہاتھوں میں بڑی شان کے ساتھ آسمانی رفعتوں سے ہمکنار تھا۔ جب آپ کا بدن

> "اس بات کو کبھی مت بھولو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہاتھ سے گزرے ہوئے ظلم و ستم پر تلوار اٹھائی اور وہ حفاظت خود اختیاری کے طور پر تھی جو ہر مہذب گورنمنٹ کے قانون میں جرم نہیں۔"
>
> (الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳)

شدید زخموں سے نڈھال ہو کر احد کی پتھریلی زمین پر گر رہا تھا۔ اس وقت بھی یہ جھنڈا ایک عجیب شان بے نیازی کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں لہرا رہا تھا۔ جب چاروں طرف صحابہ کے بدن کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ پس خلق محمدیؐ اور ان صحابہ کے اخلاق کا جہاد جو آپ کے ساتھ تھے، اُحد کے قتال کے شانہ بشانہ بڑی قوت اور شدت کے ساتھ جاری رہا اور فاتح اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بار ہر اخلاقی معرکے میں عظیم فتح نصیب ہوئی۔ ان ہولناک زلازل کے وسط میں سے ہو کر آپ بسلامت نکل آئے جو اخلاق کی بڑی بڑی مضبوط عمارتوں کو بھی مسمار کر دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔

پس آئیے اب ہم انتہائی صبر آزما اور سخت مشکل اور حوصلہ شکن حالات میں جو جنگ احد میں پیش آئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پیارے پر سکون اور پُر وقار اخلاق کا کچھ نظارہ کرتے ہیں۔

عزم و ہمت کا پہاڑ جس کے

پائے ثبات لغزش سے نا آشنا تھے۔

کفار کے اچانک جوابی حملے نے جو سراسیمگی اور انتشار کی کیفیت پیدا کر دی اس کا سب سے بڑا نقصان لشکر اسلام کو یہ پہنچا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رابطہ کٹ گیا اور صرف گنتی کے چند آدمی تھے جو آنحضورؐ کے ساتھ رہ گئے۔ لیکن وہ بھی شدت جنگ کے باعث ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات آنحضورؐ بالکل تنہا رہ جاتے تھے۔ لیکن خوف و ہراس کا سایہ بھی آپ کے پاس سے نہ گزرتا تھا۔ کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ اُحد کے روز جب مسلمان آنحضورؐ کی جدائی کی بے چینی میں مبتلا ہو گئے تو سب سے پہلے میں نے ہی آنحضورؐ کو تلاش کیا آپ کا سر اور چہرہ چونکہ خود اور زرہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لئے میں نے آپ کو آپ کی آنکھوں کی چمک سے پہچانا۔

معلوم ہوتا ہے آنحضورؐ کی تلاش میں اس وقت متعدد صحابہ اِدھر اُدھر سرگرداں پھر رہے تھے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بھی روایت ہے کہ جب آنحضورؐ دشمن کی اچانک یلغار کی بناء پر اکثر صحابہؓ کی نظر سے اوجھل ہو گئے اور یہ مشہور ہو گیا کہ آپؐ شہید ہو چکے ہیں، تو اس خبر سے حضرت علیؓ کے دل کی جو حالت ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ آنحضورؐ کی تلاش میں اسی طرح دیوانہ وار بے تحاشا دوڑتے پھرتے ہر ایک کا چہرہ دیکھنے لگے کبھی شہداء کی لاشوں میں جگہ جگہ حضورؐ کا چہرہ ڈھونڈتے پھرتے کبھی حملہ آور جتھوں کی صفیں چیرتے ہوئے آر پار گزر جاتے کہ شاید اس طرف کہیں آنحضورؐ پر نظر پڑ جائے۔ بالآخر انہوں نے آنحضورؐ کو وہاں پایا جہاں جنگ سب سے زیادہ شدت کے ساتھ لڑی جا رہی تھی۔ آپ زرہ پوش تھے۔ سر پر خود تھا۔ ہاتھ میں کمان تھی کبھی تو حملہ آوروں پر تیر برساتے کبھی پتھراؤ کرنے لگتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب نگاہ پڑی تو اس وقت حضور کنکروں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کی ایک حملہ آور پارٹی کی طرف پھینک رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھا کہ وہ حملہ آور کنکروں کی اس مٹھی سے ہی اس طرح پسپا ہو گئے جیسے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی ہو۔

اسی طرح یعقوب بن عمر بن قتادہؓ نے بیان کیا ہے کہ "جنگ اُحد کے روز آنحضورؐ کے حضور تیس آدمی ثابت قدم رہے تھے اور سب کے سب حضورؐ سے یہی عرض کرتے تھے کہ ہمارا سر آپ کے سر پر فدا ہو اور ہماری جان آپ کی جان پر قربان ہو اور آپ پر ہمارا سلام ہو مگر یہ سلام کچھ رخصت کے لئے نہیں بلکہ محض برکت کے لئے ہے۔"

آنحضورؐ کے ثبات قدم کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور راوی بیان کرتا ہے۔

"صفیں بالکل ٹوٹ پھوٹ گئیں اور مشرکوں نے اپنے عسکری نشان "عزّیٰ بت کی دہائی ہے"۔ کے نعرے مارنے شروع کئے اور اپنے آدمیوں کو آواز دی کہ اے ھبل بت کی اولاد! دوڑو کہ خدا کی قسم بڑے گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے راوی کہتا ہے کہ تمام

مشرک اس وقت بہت جان توڑ کر لڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت اذیت پہنچائی مگر قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا کہ باوجود اس قدر اذیت کے میں نے آپ کو آپ کی جگہ سے ایک بالشت بھی ہٹتے ہوئے نہیں دیکھا آپ بڑے استقلال کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹے رہے اور مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ کبھی تو ان کی کوئی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو جاتی اور کبھی پھر متفرق ہو جاتی تھی اور اسی پھیلاؤ کی حالت میں میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ اپنی جگہ پر جمے ہوئے کبھی تو مشرکوں پر اپنی کمان سے تیر چلاتے تھے۔ اور کبھی پتھر مارنے لگ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ مشرکوں کا جوش و خروش ختم ہو گیا۔ اور وہ حملہ کرتے کرتے ٹھہر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوں کے توں اپنی اسی چھوٹی سی جماعت میں مشرکوں کے مقابلہ میں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اور ڈٹے رہے اور باوجود ایسے زور شور کے حملے کے آپ کے قدم میدان سے ذرا نہیں ڈگمگائے جو آدمی آپ کے ساتھ ایسے نرغہ کے وقت میں صبر کے ساتھ بدستور ثابت قدم رہے وہ صرف چودہ آدمی تھے سات تو مہاجرین میں سے تھے اور سات انصار میں سے تھے مہاجرین میں سے تو یہ تھے حضرت ابوبکرؓ ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت زبیرؓ بن عوام اور انصار میں سے حضرت حبابؓ بن منذر۔ حضرت ابو دجانہؓ ۔ حضرت عاصمؓ بن ثابت۔ حضرت حارثؓ بن صمہ۔ حضرت سہلؓ بن حنیف اور حضرت اسیدؓ بن حضیر اور حضرت سعدؓ بن معاذ۔

(فتوح العرب ۔۔۔)

جب آنحضرتؐ نے انتہائی دشمنوں کے ساتھ اپنے بہادر سپاہیوں کی قیادت

حضرت وہبؓ بن قابوس کی شہادت کی خوشخبری

جب (کفار کی) ایک جماعت مسلمانوں پر حملہ کرنے کو آگے بڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا اس جماعت کا کون مقابلہ کرے گا۔ اس پر حضرت وہب بن قابوسؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کروں گا۔ چنانچہ یہ اپنے تیر کمان لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور اس جماعت پر اتنے تیر چلائے کہ ان کا منہ پھیر دیا اور آخر کار وہ عاجز ہو کر لوٹ گئے اور حضرت وہبؓ اپنی جگہ پر چلے گئے۔ اس کے بعد پھر دوسری جماعت آئی اور اس کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اس کا مقابلہ کون کرے گا۔ اس دفعہ بھی حضرت وہبؓ بن قابوس مزنی نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ یا رسول اللہ میں اکیلا ہی نمٹ لوں گا۔ یہ اپنی تلوار لے کر کھڑے ہوئے اور ان پر قطع قمع کر کے رکھ دیا جس سے انہیں بھاگتے ہی بنا اور یہ ان کو بھگا کر پھر اپنی جگہ چلے آئے جب

تیسری مرتبہ ایک اور مشرکوں کی آگے بڑھی اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب دستور فرمایا کہ ان کے مقابلہ
میں کون ڈٹے گا۔ اس دفعہ بھی حضرت مُزنی نے عرض
کیا کہ یا رسول اللہ میں ڈٹوں گا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ
اچھا اٹھو اور جنت کی بشارت لے۔ چنانچہ یہ نہایت
خوشی خوشی یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے کہ خدا کی قسم
اب تو خود چین سے بیٹھوں گا اور نہ ہی دوسروں
کو چین سے بیٹھنے دوں گا۔ اور ایک دم سے مشرکوں
کے غول میں اُن پر تلوار بجاتے ہوئے گھسے چلے گئے
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسلمانوں سمیت کھڑے
ہوئے ان کی حالت کو دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ
ان کے آخر تک پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ اے اللہ ان کے حال
پر اپنا فضل و کرم کر۔ اس کے بعد حضرت وہبؓ
لوٹ کر پھر اُن میں گھس گئے اور ان کو چیرتے پھاڑتے
ان کے آخر تک پہنچ گئے اور دیر تک ان کا یہ
یہی حال رہا آخر دشمنوں نے موقعہ پا کر ان کو گھیر
لیا اور ان کی تلواریں اور برچھے یکدم سے ان پر
پڑنے لگے جس سے یہ بہت زخمی ہو کر شہید ہو گئے
چنانچہ لڑائی فرو ہونے کے بعد جب ان کے زخم گنے گئے
تو وہ کل بیس گھاؤ نکلے جو برچھوں کے تھے اور سب
کے سب ایسے نازک موقعوں پر لگے ہوئے تھے کہ جن
کے زخمی ہونے کے بعد آدمی کا جانبر ہونا مشکل دکھائی دیتا ہے
اور ان کے شہید ہونے کے بعد ان کی لاش کا بری طرح
مثلہ کیا گیا تھا۔ (فتوح العرب صفحہ ۳۶۶، ۳۶۷)

آنحضورؐ جنگ کے حالات کا بڑے سکون اور اطمینان
سے ساتھ جائزہ لے کر حسب ضرورت اپنے چند ساتھیوں کو
کبھی ایک حملہ آور گروہ کی طرف بھجواتے تو کبھی دوسرے
کی طرف۔ جب اکیلے رہ جاتے تو خود تیر چلانے لگتے۔ جب
جانثاروں میں کوئی اپنا مشن پورا کر کے واپس آجاتا
تو آنحضورؐ اس کی راہنمائی اور مدد فرماتے۔ خود اپنے ہاتھ
سے تیر اٹھا کر پکڑاتے۔ تیر ختم ہو جاتے تو دشمن کے چلائے
ہوئے تیر جو آپ کے چاروں طرف بکھرے پڑے تھے وہ
اٹھا اٹھا کر اپنے معتمد تیر اندازوں کو پکڑاتے جاتے۔
اگر کوئی تیر نہ ملتا تو دعائیں کر کے تیراندازوں کے ہاتھوں
میں کوئی سیدھی سی لکڑی ہی تلاش کر کے تھما دیتے اور
آپ کی دعا کی برکات سے وہی لکڑی بہترین تیر کا
کام دے جاتی۔ یہ صحابہ اگرچہ بار بار حملہ کر کے دُور تک
دشمن کی صفوں میں گھس جاتے لیکن یوں لگتا ہے کہ آنحضورؐ
کا ہجر اور آپ کا فکر ان کو پھر کھینچ کر آنحضورؐ کے
قدموں میں لے آتا۔ ان کے سینے اور ان کی پیٹھیں
آنحضورؐ کے لئے سپر بن جاتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان
کے شوق شہادت پر آنحضورؐ کی حفاظت کا خیال اس
قوت کے ساتھ غالب آچکا تھا۔ کہ زخم پر زخم کھانے
کے باوجود یہاں تک کہ بدن چھلنی ہو گئے ان کی جان
سینے میں اٹکی رہی۔ آنحضور کے ان ذاتی محافظوں کا
اتنے زخم کھا کر بھی بچ رہنا ایک حیرت انگیز معجزہ
ہے جو اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ

اَمْرِ اللّٰہِ ۔

یعنی اس کے آگے اور پیچھے ایسے محافظ مقرر کر دیئے گئے ہیں جو باری باری اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں ۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنگ میں سوائے میرے اور سعدؓ کے کوئی بھی باقی نہ رہتا تھا۔ انہی سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا (یعنی آپ کو تیروں سے بچانے کے لئے سپر بن گئے) اور ہاتھوں سے اتنے تیر لگے کہ وہ لنجے ہو گئے ۔

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ)

حضرت طلحہ نے اپنے سارے تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھیلا دیئے کہ حضور دیکھئے میں اس قدر تیر چلاؤں گا اور یہ بڑے زبردست تیر انداز تھے اور بلند آواز تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لشکر میں اکیلے طلحہ کی للکار چالیس آدمیوں سے بہتر ہے۔ اور ان کے ترکش میں پچاس تیر تھے انہوں نے وہ سب تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکھیر دیئے پھر چیخ مار کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ بس میری جان آپ پر قربان ہے اور ایک ایک تیر دمادم چلانے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے کھڑے ہوئے ان کے کندھے پر سے سر نکالے جھانک رہے تھے کہ تیر کہاں جاتے ہیں اور کس کس کو لگتے ہیں آخر جب تک ان کے تیر ختم ہوئے یہی صورت رہی۔ ختم ہونے

"غرض جب ہمارے نبی کریمؐ نے مدت تک صبر کیا اور مدت تک تکلیف اٹھالی تب خدا نے فیصلہ دیا کہ جنہوں نے تم لوگوں پر ظلم کئے اور تکلیفیں دیں۔ ان کو سزا دینے کا اذن دیا جاتا ہے اور پھر بھی یہ فرما ہی دیا کہ اگر وہ صلح پر آمادہ ہو جاویں تو تم صلح کر لو۔ ہمارے رسول کریمؐ تو یتیم، غریب، بیکس پیدا ہوئے تھے وہ لڑائیوں کو کب پسند کر سکتے تھے۔" (الحکم ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰)

کے بعد حضرت طلحہؓ حضورؐ سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ خدا مجھے آپ پر قربان کرے بس آپ آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں میرے تیر تو ختم ہو گئے آپ ہٹ جائیں اور آرام فرمادیں۔ غرض حضرت طلحہؓ تو حضورؐ سے یہ عرض کرتے جاتے اور حضورؐ کو ادھر اُدھر سے کوئی خشک لکڑی اٹھا دیتے تھے اور فرما دیتے تھے کہ لے اس کو مار چنانچہ (طلحہؓ) اس خشک لکڑی کو اپنی کمان پر رکھ کر تیر کی جگہ مارتے تھے تو وہی بہترین تیر ہو جاتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب اُحد کا دن ہوا تو (دیکھا) لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر ابو طلحہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آپ پر ایک ڈھال لگائے ہوئے تھے۔ ابو طلحہؓ ایسے تیر انداز تھے کہ ان کی کمان کی تانت بہت سخت ہوا کرتی تھی۔ اُس دن وہ دو یا تین کمانیں توڑ چکے تھے۔ اور کوئی

شخص تیروں سے بھرا ہوا ترکش لے کر نکلتا تو آنحضرتؐ
اس سے فرماتے "یہ تیر ابو طلحہؓ کے سامنے ڈال دے"
پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے
تو ابو طلحہ کہتے تھے۔ یا نبی اللہ آپ پر میرے ماں
باپ فدا ہوں۔ آپ گردن نہ اٹھائیں کہیں آپ
کو کافروں کا تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے
سینہ کے آگے ہے...... اور ابو طلحہؓ کے ہاتھ
سے اُس دو مرتبہ یا تین مرتبہ تلوار گر پڑی۔
(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے
"ابو دجانہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
جھک کر ڈھال بن گیا۔ تیر پر تیر پشت پر کھاتا رہا۔
بے شمار تیر اس کو لگے۔ سعد بن ابی وقاصؓ بھی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں تیر چلا رہے تھے آپ
(سعد بن ابی وقاص) نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے مجھے تیر تھماتے جا رہے تھے
کہ "ارم فداک ابی و امی" میرے ماں باپ
تم پر قربان تیر چلاتے جاؤ۔ یہاں تک کہ آپ نے مجھے
ایک ایسا تیر دیا جس کا پھل نہ تھا۔ اس کے باوجود
فرمایا ارم بہ اس کو چلاؤ"
(سیرت ابن ہشام)

یہ ابو دجانہ جن کا ذکر اس روایت میں آیا ہے
وہی ہیں جن کو آنحضورؐ نے خود اپنی تلوار عنایت فرما
کر ایک جاودانی اعزاز بخشا تھا۔ اس تلوار کا جس
شان کے ساتھ انہوں نے حق ادا کیا اس کا تفصیلی ذکر
احادیث اور کتب تاریخ میں ملتا ہے۔ یہ حملہ کرتے
ہوئے بسا اوقات دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے آر پار
نکل جاتے لیکن آنحضورؐ کی یاد انہیں پھر کھینچ کر واپس
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتی۔ جب انہوں نے
آنحضورؐ کو انتہائی خطرات میں گھرا ہوا تنہا پایا تو جب
تک آنحضورؐ پر سے خطرہ ٹل نہ گیا پھر آپ کو چھوڑ
کر نہ گئے اور اپنے جسم کو آنحضورؐ کی ڈھال بنائے
رکھا یہ عشق اور روحانیت کی سرزمین کے قصے ہیں۔
کسی دنیاوی قتال کی باتیں نہیں۔ بھلا دنیا کی جنگوں میں
بھی ایسی عاشقانہ جاں نثاریاں کبھی دیکھنے میں آتی ہیں!
میں سوچتا ہوں کہ اس چھلنی بدن ابو دجانہ کے ہونٹوں
پر جاری وہ عاشقانہ اشعار کیسے سچے اور بھلے لگتے
ہوں گے جب ماتھے پر سرخ پٹی باندھے ہوئے آنحضورؐ
کی تلوار کو دشمنوں کے سروں پر لہراتے ہوئے وہ بلند
آواز سے ایک خاص ترنگ اور لے کے ساتھ یہ اشعار
پڑھتے جاتے تھے۔

أَنَا الَّذِي عَاهَدَنِي خَلِيلِي
وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَى النَّخِيلِ
أَلَّا أَقُومَ الدَّهْرَ فِي الْكَيُّولِ
أَضْرِبْ بِسَيْفِ اللهِ وَالرَّسُولِ

ترجمہ:۔ میں وہی ہوں جس سے میرے حبیب نے
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) کھجور کے درختوں کے
قریب پہاڑ کے دامن میں عہد و پیمان لیا تھا میں
کھڑے ہو کر آخری صف تک مقابلہ کو تیار رہوں گا
اللہ اور اس کے رسول کی تلوار سے چلاتا رہوں

گا۔ (سیرۃ ابن ہشام حصہ دوم ص۵)

غزوہ اُحد میں بعض عورتیں بھی شریک تھیں جو زخمیوں کو پانی پلانے کے لئے آئی ہوئی تھیں ان میں سے ایک ام عمارہؓ دشمن کی اچانک یلغار کے وقت آنحضورؐ کے قریب ہی تھیں۔ جب انہوں نے حضورؐ کو ان شدید خطرات میں گھرا ہوا پایا تو ان سے برداشت نہ ہوا۔ کہ ان کے جیتے جی دشمن آپ تک پہنچ جائے۔ پس بھاگنے والے مسلمان مردوں کا کفارہ انہوں نے اس طرح ادا کیا کہ یعنی شمشیرہ وہیں زمین پہ پٹخ کر تلوار اٹھائی اور دیوانہ وار کبھی ایک طرف سے آنے والے حملہ آور پہ جھپٹتی تھیں تو کبھی دوسری طرف لوٹتیں غرضیکہ جیسے ماں بچے کے لئے دیوانی سی ہو کر درندوں سے بھڑ جاتی ہے۔ کچھ ایسی ہی حالت اس وقت ان کی ہو رہی تھی۔ آنحضورؐ بلند آواز سے ان کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ ان کے حوصلے بڑھاتے اور دلجوئی فرماتے تھے حضرت اُمّ عمارہؓ جنہوں نے اس تاریخی جہاد میں بھرپور حصہ لے کر مسلمان عورتوں کے مقام کو آسمانی رفعتیں عطا کیں اور شہرت سے ہمکنار کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:-

"جس وقت اُحد کے مقام پر ہمارے لوگوں میں بھگدڑ پڑ گئی اور آنحضورؐ کے پاس دس آدمی بھی باقی نہ رہے تو میں اور میرا شوہر اور میرے دو بیٹے حضورؐ کے آگے کھڑے ہو کر آپ کے پاس سے دشمنوں کے غول کو ہٹانے لگے۔ اور مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ آپ کے سامنے ہی بھاگے جاتے تھے۔ اسی اثناء میں حضورؐ کی نظر اچانک مجھ پر پڑ گئی تو آپ نے دیکھا کہ میرے پاس سپر نہیں ہے اس لئے آپ نے ایک بھاگنے والے سے جس کے پاس سپر تھی یہ فرمایا کہ اے سپر والے! اپنی سپر کسی لڑنے والے کو دیتا جا۔ چنانچہ اس نے بھاگتے بھاگتے اپنی سپر زمین پر ڈال دی۔ میں جھٹ اُسے اٹھا کر آنحضورؐ کے سامنے روک کر کھڑی ہو گئی اور اس وقت مشرک لوگ ہم پر بہت زیادتیاں کر رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ سوار تھے اور ہم پیدل اور وہ بھی ہماری طرح کہیں پیدل ہوتے تو ہم انشاء اللہ ان کو ضرور مار لیتے۔ چنانچہ ان میں سے ایک سوار نے آگے بڑھ کر مجھ پر تلوار چلائی تو میں نے اُس کو اپنی ڈھال پر روک لیا اس لئے اس کا وار خالی گیا اور وہ لوٹ کر واپس چلا۔ پس میں نے موقعہ پا کر پیچھے سے اس کے گھوڑے کے کونچ کاٹ دیئے جس سے وہ چاروں خانے چت گر پڑا۔"

(شروع الحرب ترجمہ فتوح العرب ص۳۶۵)

> "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں تیرہ برس تک سخت دل کافروں کے ہاتھ سے وہ مصیبتیں اٹھائیں اور وہ دُکھ دیکھے کہ بجز ان برگزیدہ لوگوں کے جن کا خدا پر نہایت درجہ بھروسہ ہوتا ہے کوئی شخص ان دکھوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔"
>
> (چشمہ معرفت ص۱۸۱)

اس واقعہ کا ذرا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آنحضورؐ کے کریمانہ اخلاق کے دو بہت حسین پہلو اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس شدید نرغے کی حالت میں بھی حضور گرد و پیش کے حالات پر پورے اطمینان کے ساتھ نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ایک ذرا بھی سراسیمہ نہیں ہوتے اور اپنے گرد و پیش لڑنے والوں کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کا خیال رکھ رہے ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت ام عمارہ کو ڈھال دلوانے کا انداز بڑا ہی دلنشین ہے اور ایک بھاگنے والے مرد کی ڈھال ایک لڑنے والی عورت کو دلوائی ہے لیکن بات میں کوئی تلخی اور طعن نہیں۔ یہ کہنا پسند نہیں فرمایا کہ اے بھاگنے والے ایک لڑنے والی عورت کے لئے ڈھال چھوڑتا جا۔ بس اتنا ہی کہا کہ اے ڈھال والے! ایک لڑنے والے کو ڈھال دیتا جا۔ یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ ضرورتمند ایک عورت ہے لیکن ساتھ ہی دیکھئے کہ لڑنے والی عورت کا دل کیسے بڑھا دیا! اور کیسی حوصلہ افزائی فرمائی اور کیسی بروقت اس کی امداد فرمائی چنانچہ دوسرے ہی لمحے آنحضورؐ کے اس بروقت اقدام کی برکت اس طرح ظاہر ہوئی کہ وہی ڈھال ام عمارہ کی جان بچانے کا موجب بن گئی۔ یقیناً یہ اتفاق نہیں تھا بلکہ تصرف الٰہی کا کرشمہ تھا کیونکہ آنحضورؐ کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کے تصرف میں تھا اور قدرت خداوندی آپ سے وہ کام دکھلا رہی تھی جو محض بشری طاقت سے ممکن نہ تھا۔ آپ کے ایک عاشق تام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب کہا ہے ؎

إنّي أرى في وجهك المتهلل
شانًا يفوق شمائل الإنسان

یعنی اے میرے محبوب آقا۔ یقیناً میں تیرے روشن چہرے میں وہ شان دیکھتا ہوں جو فوق البشر صفات اپنے اندر رکھتی ہے۔

یہی وہ ام عمارہ ہیں جنہیں یہ فخر حاصل ہے کہ آنحضورؐ پر حملہ کرنے والے بدبخت ابن قمیہ کا وار انہوں نے آگے بڑھ کر اپنے کندھے پر لیا چنانچہ ابن ہشام بیان کرتا ہے کہ:۔

"عین اس وقت جب کہ کافروں نے حملہ عام کر دیا اور آپ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے۔ حضرت ام عمارہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپؐ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ ابن قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے کارگر نہ ہوئی۔

(سیرۃ النبیؐ۔ ابن ہشام ص ۸۴)

اس معرکہ میں ام عمارہ کو اور بھی متعدد زخم لگے کیونکہ آنحضور کی جانب گھوڑ سوار بار بار حملے کر رہے تھے اور جہاں تک ان کا اور ان کے لڑکوں کا بس چلتا یہ ان کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے چنانچہ ایک سوار ایک ہی جھپٹ میں ام عمارہ اور ان کے بیٹے

دونوں کو زخمی کر گیا ایک دفعہ پھر پلٹ کر گھوڑا بڑھاتا ہوا حضرت ام عمارۃ پر جھپٹا تو آنحضورؐ ہی نے اس خطرہ سے انہیں متنبہ کیا۔ حضرت ام عمارۃؓ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:۔

"اتفاق سے پھر وہی شخص جس نے میرے تلوار ماری تھی آگے بڑھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اے ام عمارہ! دیکھ یہ وہی شخص ہے جس نے تیرے بیٹے کو تلوار ماری تھی۔ چنانچہ آپ کے فرمانے کے بعد میں اس کے آگے ہوئی اور اس کی پنڈلی پر ایک تلوار رسید کی جس سے وہ گر پڑا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری اس واردات کو دیکھ کر خوب ہنسے یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دانت بھی کھل گئے اور مجھ سے فرمانے لگے "اے ام عمارہ! آخر تو نے بدلہ لے ہی لیا"۔

زور سے ہنسنا آنحضورؐ کی عادت نہ تھی۔ صرف تبسم فرماتے تھے۔ لیکن اُحد کے روز آپ کا ہنسنا آپ کی ایک خاص شانِ دلربائی تھی۔ یہ ہنسی دراصل خوف و ہراس کی ناکامی کی دلیل تھی۔ ہولناک خطرات کے مقابل پر یہ آپ کے عزم و ہمت کی فتح کا ایک اعلان تھا۔ ام عمارہؓ کی یہ روایت آنحضورؐ کی حکمت اور فراست پر بڑے دلنشین انداز میں روشنی ڈالتی ہے۔ آنحضورؐ جانتے تھے کہ حضرت ام عمارۃؓ زخموں سے چور ہیں اور بدن کمزور پڑ چکا ہے۔ پس ایسی حالت میں وہی حملہ آور جو پہلے ہی انہیں زخمی کر کے نفسیاتی برتری حاصل کر چکا ہو اور فنِ حرب کے ہر پہلو میں فوقیت رکھتا ہو۔ اگر دوبارہ سامنے آئے تو اس کا ایک نفسیاتی رعب پڑنا طبعی بات تھی۔ وہ ایک عورت کے مقابل پر مرد تھا ایک زخمی کے مقابل پر تنومند تھا۔ ایک پیدل کے مقابل پر سوار تھا۔ ایک سادہ کپڑوں میں ملبوس بی بی کے مقابل پر جو کئی جوان بچوں کی ماں تھی ایک زرہ پوش ہٹا کٹا جوان تھا۔ اس وقت صرف ایک ہی صورت اس کمزور بے کس نہتی ماندی عورت کی ہمت بڑھانے کی ہو سکتی تھی کہ اس کی زخمی ذات کی بجائے اس کی زخمی مامتا کو پکارا جائے۔ پس آنحضورؐ نے ایسا ہی کیا اور یہ فرما کر کہ دیکھ تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا پھر آ رہا ہے۔ ایک ایسا کچوکا اس کی زخمی مامتا کو لگایا کہ وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اُبھری اور اس تن نازک میں وہ آگ سی لگ گئی جو ممولوں کو شہباز سے لڑا دیا کرتی ہے حضورؐ پر ہمارا ذرہ ذرہ قربان ہو کس شان کے سپہ سالار اور کس شان کے انسان تھے!

علم النفس پر کیسی باریک نظر تھی اور اپنے حواس پر کیسا مکمل اختیار کہ اوسان خطا کرنے والے خطرات میں بھی تمام استعدادیں کامل سکون اور

"پیغمبر خدا نے خود تلوار نہیں اٹھائی صرف مدافعت کیلئے ایسا کیا گیا اور سچ یہ ہے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انہوں نے تلوار اٹھائی آخر وہ تلوار انہیں کی ان پر پڑی"
(الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء صـ)

توازن کے ساتھ دل و دماغ کے عرش پر مستوی اور متمکن تھیں۔

دورانِ قتال اخلاقی تعلیم

علاج معالجہ

حیرت کی بات ہے کہ جہاد بالسیف میں شدید مصروفیت کے باوجود جب مہیب خطرات سر پر منڈلا رہے تھے۔ اس وقت بھی حضور اکرمؐ نے تعلیم اخلاق کا کام نظر انداز نہ فرمایا اپنے غلاموں کو جسمانی خطرات سے متنبہ فرماتے جاتے تھے اور روحانی خطرات اور لغزشوں سے بھی صحابہ کو فوجی قیادت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی قیادت کے فرائض بھی ادا کئے جا رہے تھے۔ میدان دعا میں تعلیم کتاب، دوران جنگ میں تربیت کا کام بھی جاری تھا۔

رشید فارسی جو قبیلہ بنی معاویہ کے ایک غلام تھے۔ انہوں نے مشرکوں میں سے ایک جری پہلوان پر حملہ کیا جو قبیلہ بنی کنانہ میں سے تھا جو سر تا پا لوہے میں ڈھکا ہوا تھا اور حضرت سعدؓ کے ایک ہی وار میں دو ٹکڑے کرنے کے بعد یہ فخریہ نعرہ لگا رہا تھا کہ میں ابن عویمر ہوں۔ حضرت رشیدؓ نے اس پر ایک بھرپور وار کیا جس سے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ساتھ ہی یہ نعرہ مارا کہ اس وار کو روک کہ میں رشید ایک فارسی غلام ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کا مقابلہ دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت رشیدؓ کا یہ نعرہ سن کر کہ میں غلام فارسی ہوں نا پسند کیا اور یہ فرمایا کہ تو نے اس کی بجائے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ لے اس کو روک میں ایک غلام انصاری ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے اس ارشاد پر حضرت رشید فارسیؓ کے دل میں سخت ندامت پیدا ہوئی پس اللہ نے اُن پر کرم کی نظر فرمائی اور ان کو یہ حسرت پوری کرنے کا موقع دے دیا کہ کاش میں نے ابن عویمر کو مارتے ہوئے حضورؐ کی مرضی کے مطابق نعرہ لگایا ہوتا۔ ابھی حضورؐ کا یہ فقرہ ختم ہوا تھا کہ اچانک ابن عویمر کا بھائی کتوں کی طرح دوڑتا ہوا آگے بڑھا اور حضرت رشیدؓ پر حملہ کرتے ہوئے یہ نعرہ مارا کہ دیکھ میں بھی ابن عویمر ہوں۔ حضرت رشیدؓ نے اس پر شدید حملہ کیا اور اس خود کے سر پر بھی تلوار ماری جس سے اس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا اور مارتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اس سے کہا۔ لے اس وار کو روک اور دیکھ میں ایک غلام انصاری ہوں۔ یوں لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فلم پیچھے کر کے وہیں سے دوبارہ چلا دی ہو تا غلطی کی اصلاح کا موقعہ مل جائے اور ایک اور ابن عویمر سامنے لا کھڑا کیا۔ رشیدؓ نے یہ کہہ کر حضور اکرمؐ کی طرف دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا تبسم فرمایا اور فرمانے لگے اے ابو عبد اللہ! شاباش! تو نے اچھا کیا کہ یہ کہا "میں انصاری غلام ہوں"۔

(شرح الحرب ترجمہ فتوح العرب صفحہ ۳۴۸)

دورانِ جہاد ظاہری فتح و شکست کی نسبتہ

حضورؐ کی نظر اخلاقی فتح و شکست پر کہیں زیادہ تھی
اور بڑی باریک نظر سے صحابہ کی تربیت فرما رہے تھے
گویا جنگ اُحد کا میدان نہیں اخلاقیات کی درسگاہ
کھلی تھی۔ حلم رحمی کا اس حد تک خیال تھا کہ بیٹے کو باپ
اور بھائی کو بھائی کے قتل کی اجازت نہ دی۔

"ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اُس کے
بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت
مانگی۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ
کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔"

(سیرۃ النبیؐ از شبلی نعمانی جلد ۱ صفحہ ۳۵۳)

عتبہ وہ بدبخت انسان تھا جس نے شدید حملہ
کر کے حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
نیچے کے دو دندانِ مبارک شہید کئے اور دہن مبارک
کو سخت زخمی کر دیا۔ عتبہ کے بھائی حضرت سعدؓ بن ابی
وقاص مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے تھے جب ان کو عتبہ
کی بدبختی کا علم ہوا تو جوشِ انتقام سے ان کا سینہ
کھولنے لگا اور فرماتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے قتل
پر ایسا حریص ہو رہا تھا کہ شاید کبھی کسی اور چیز کی
مجھے ایسی حرص نہ لگی ہو۔ دو مرتبہ دشمن کی صفوں کا
سینہ چیر کر اس ظالم کی تلاش میں نکلا کہ اپنے ہاتھ سے
اس کے ٹکڑے اڑا کر اپنا سینہ ٹھنڈا کروں مگر وہ
مجھے دیکھ کر ہمیشہ اس طرح کترا کر نکل جاتا تھا جس
طرح لومڑی کترایا کرتی ہے۔ آخر جب میں نے تیسری
مرتبہ اس طرح گھس جانے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم براہ شفقت مجھ سے فرمانے لگے کہ
اے بندۂ خدا! تیرا کیا جان دینے کا ارادہ ہے۔
چنانچہ میں حضورؐ کے روکنے سے اس ارادہ سے باز
رہا۔" (شروح الحرب ترجمہ فتوح العرب صفحہ ۳۲۹)

اس واقعہ میں حضورؐ کا روکنے کا انداز بہت
معنی خیز ہے۔ آنحضورؐ کی محبت اس وقت حضرت
سعد کے دل میں ایسا جوش مار رہی تھی کہ یہ کہہ کر روکیں
کہ بھائی بھائی کو قتل نہ کرے۔ اقتضائے حال کے
منافی تھا پس آپ نے بڑے پیار سے صرف اتنا
فرمایا "بندۂ خدا! کیوں جان گنواتے ہو"

روحانی و جسمانی طبیب

یہ عجیب میدان جنگ تھا کہ سپہ سالار بھی آپؐ ہی
تھے مونس و غمخوار بھی آپ اور معالج بھی آپؐ ہی تھے
اور امراض روحانی کے ساتھ ساتھ امراض جسمانی کی شفا
کا کام بھی جاری تھا۔ دوا تو کوئی پاس تھی نہیں دعا
اور روحانی برکت سے غزوہ بدر کی طرح غزوہ اُحد میں
بھی متعدد مریضوں کو شفا بخش رہے تھے۔ کہیں
دعا کرتے۔ کہیں زخموں پہ لعاب دہن لگاتے کہیں
جرّاحی فرماتے جبکہ ہاتھ میں کوئی اوزار بھی نہ تھا۔

حضرت قتادہؓ بن نعمان کی آنکھ میں
مشرکوں کا ایک ایسا تیر لگا کہ جس سے آنکھ
باہر نکل کر گلے پہ لٹک گئی۔ قتادہ خود بیان
فرماتے ہیں کہ اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

یارسول اللہ میری زوجیت میں ایک عورت ہے کہ وہ بہت نوجوان اور صاحب حسن وجمال ہے میں خود بھی اس کو بہت چاہتا ہوں۔ اور وہ بھی مجھے بہت چاہتی ہے۔ اس لئے مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ میری آنکھ کبھی اس کو مکروہ اور نازیبا معلوم ہونے لگے چنانچہ آپ نے اس کی آنکھ کے ڈھیلے کو اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی آنکھ میں رکھ دیا تو وہ فوراً بینا ہوگئی اور جیسی تھی وہ ویسی کی ویسی ہوگئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ آنکھ ہمیشہ دوسری کی نسبت زیادہ روشن اور صاف رہی۔"

(شروع الحرب ترجمہ فتوح العرب صفحہ ۳۲۵)

یہ واقعہ بھی شدید جنگ کے دوران پیش آیا جب دشمن چاروں طرف سے حضورؐ کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا لیکن صحابہؓ کو بھی ذرا دیکھو کہ کس طرح ہر مصیبت میں حضورؐ کی طرف دوڑتے اور حزن و غم میں حضورؐ سے راز دل کہہ کر غمخواری کی توقع رکھتے۔ کوئی دنیا کا جرنیل ہوتا تو اس کڑے وقت میں ایسی بات کرنے والے کو ذلیل و خوار کر کے دھتکار دیتا۔ لیکن حضورؐ نے نہایت اطمینان سے اس کی بات سنی اور کس دل سے اس کا غم محسوس فرمایا اور اس کو بینا بنا کر محبوبیت بحال کیا جس کی محبت کو شدید آزمائش درپیش تھی۔ پس یہ رحمۃ للعالمین کی قلبی کیفیت ہی تھی جس پر نظر ڈال کر شافی مطلق نے یہ عجیب معجزہ دکھایا۔

یہ باتیں آنحضورؐ ہی کی ذات سے وابستہ تھیں۔ اب کہاں یہ دن دیکھنے میں آئیں گے جنگ اُحد کی سرگزشت اب کبھی دہرائی نہ جائے گی۔ ہاں اس کے ذکر کا سوز ہمیشہ دلوں کو درود کے لئے نرم کرتا اور پگھلاتا رہیگا۔ اور جہاد کے ان نئے میدانوں کی طرف دعویداران محبت کو بلاتا رہے گا۔ جو اسلام کے آخری غلبہ کے لئے روئے زمین پر جابجا کھل رہے ہیں اور کھلتے رہیں گے۔

حَکم و عدل

عمرو بن جموحؓ اور بیٹوں کے متعلق آنحضورؐ کی عدالت کا ایک فیصلہ — ایک تفسیر

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ ۔ (سورۃ الفتح آیت ۱۸)

ترجمہ: نہ تو کسی اندھے پر تنگی ہے اور نہ لنگڑے اور بیمار پر تنگی ہے (کہ وہ باوجود عذر کے لڑائی میں شامل ہوں) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہ ایسی جنتوں میں داخل ہوگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

آپ کی حیثیت محض ایک عام سپہ سالار کی نہ

تھی بلکہ جہاد صغیر کے ساتھ ساتھ آپ منصب رسالت کے دیگر فرائض بھی بہ احسن انجام دے رہے تھے۔ جہاد سے معذوروں کو رخصت کا مسئلہ جنگ اُحد کے آغاز میں اس شکل میں پیش آیا کہ ایک لنگڑے صحابی حضرت عمروؓ بن جموح کی اپنے بیٹوں سے تکرار ہو گئی۔ یہ چار بیٹے جن کے متعلق آتا ہے کہ شیروں کی طرح لڑا کا اور دلیر جوان تھے۔ باپ کو جہاد میں شمولیت سے روکتے ہوئے کہتے کہ تم لنگڑے ہو اور تم پر جہاد فرض نہیں اور اور کہتے تھے کہ تمہاری جگہ ہم جو جانیں دینے کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت عمروؓ بن جموح نے ان کی ایک نہ سُنی اور جب دیگر صحابہ نے بھی بیٹوں کی طرفداری میں حجت بازی کی تو فرمانے لگے۔ واہ! یہ بھی کوئی بات ہے کہ بیٹے تو جنت میں چلے جاویں اور میں تم لوگوں کے پاس بیٹھا رہ جاؤں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی طبیعت میں نہایت لطیف اور پاکیزہ مزاح پایا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ جھگڑا جب آنحضورؐ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو اپنے مخصوص انداز میں حضورؐ کا دل اپنی طرف مائل کرنے کے لئے عرض کیا۔ حضور میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ اپنی اس لنگڑی ٹانگ سے جنت کی سرزمین میں کھیلتا کودتا پھروں۔ یہ سن کر حضور کا دل پسیج گیا۔ بچوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ تمہیں باپ پر اس بارہ میں زبردستی کا کوئی حق نہیں اور عمرو بن جموح سے فرمایا کہ جہاد تم پر فرض نہیں لیکن میں منع بھی نہیں کرتا۔

پس ضمناً اس موقع پر آنحضورؐ نے لا اکراہ

> "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بزرگ صحابہ کی لڑائیاں یا تو اس لئے تھیں کہ کفار کے حملہ سے اپنے تئیں بچایا جائے اور یا اس لئے تھیں کہ امن قائم کیا جائے اور جو لوگ تلوار سے دین کو روکنا چاہتے ہیں ان کو تلوار سے پیچھے ہٹایا جائے۔"
>
> (تریاق القلوب صفحہ ۱۶)

فی المشیئت کی بھی ایک لطیف تفسیر یہ فرما دی کہ جو بات منع نہ ہو جبراً اس سے روکا نہیں جائے گا یعنی نہ تو جبراً نیکی کروانے کی اجازت ہے اور نہ جبراً نیکی سے روکنے کی۔ لیکن اجتماعی امور میں امام وقت کی اجازت بہرحال ضروری ہے کیونکہ جنت کی راہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دروازہ نصب ہے۔

حضرت عمروؓ بن جموح کی شہادت

حضرت عمروؓ بن جموح
حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام
حضرت ہندؓ بن عمر بن حرام

اب حضرت عمرو بن جموح کا حال سنیئے کہ آنحضورؐ کی اس اجازت سے انہوں نے کس شان اور کس چاہت کے ساتھ فائدہ اٹھایا:

"حضرت طلحہؓ نے بیان کیا کہ اُحد کے روز جس وقت مسلمان شکست کھا کر پسپا ہو گئے کے بعد جن [illegible]

آئے تو میں نے حضرت عمروؓ بن جموح کو دیکھا کہ وہ اوّل ہی دستہ گروہ میں لنگڑاتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے آ رہے ہیں کہ خدا کی قسم! مجھے تو بس جنت ہی کا شوق لگ رہا ہے اس کے بعد انہوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور اُن کے پیچھے پیچھے ان کا ایک لڑکا بھی دوڑا تب دونوں مل کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور آخر کار دونوں ساتھ ساتھ شہید ہو گئے"

یہ عمروؓ بن جموح حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام کے بہنوئی تھے جو اسی غزوہ میں شہید ہوئے ہیں گویا خاوند عمرو کی طرح بیوی کا بھائی بھی ایک امتیازی شان رکھتا تھا چنانچہ ان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود آنحضورؐ کو یہ خبر دی کہ جب عبداللہؓ شہادت کے بعد خدا کی جناب میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ بتا آج تیری رضا کیا ہے؟ اس پر عبداللہؓ بن عمرو نے عرض کیا میری رضا تو بس یہی ہے کہ تو مجھے ایک دفعہ پھر زندہ کر دے اور میں محمد مصطفیٰ ؐ کے ساتھ ساتھ تیری راہ میں جہاد کرتا ہوا پھر مارا جاؤں تو پھر مجھے زندہ کر دے اور میں پھر رسول اللہؐ کی معیت میں جہاد کرتا ہوا مارا جاؤں اور تو مجھے پھر زندہ کر دے اور پھر میں تیرے رسول کی معیت میں جہاد کرتا ہوا مارا جاؤں۔

اس واقعہ میں طرح طرح کا حُسن کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور جس کروٹ سے اسے دیکھیں یہ ایک نئی رعنائی دکھاتا ہے۔ منجملہ اور امور کے اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس طرح مسلسل آنحضورؐ کا رابطہ اپنے ربّ سے قائم تھا۔ بندوں پر بھی نظر شفقت فرما رہے تھے اور ربّ سے بھی دل لگا رکھا تھا۔ ایک پہلو اپنے صحابہ پر جھکا ہوا تھا تو دوسرا پہلو رفیق اعلیٰ سے بہم وابستہ اور پیوستہ تھا۔ وہ وجود جو امن کی حالت میں دنیٰ فتدلّٰی کے افق اعلیٰ پر فائز رہا جنگ کی حالت میں بھی ایک لمحہ اس سے الگ نہ ہوا۔ ایک نگاہ میدان حرب کی نگران تھی تو دوسری جمالِ یار کے نظارہ میں مصروف تھی۔ ایک کان رحمت سے صحابہ کی طرف جھکا ہوا تھا تو دوسرا ملاءِ اعلیٰ سے اپنے ربّ کا شیریں کلام سننے میں مصروف۔ دست باکار تھا تو دل بایار۔ آپ صحابہ کی دلداری فرماتے تھے تو خدا آپ کی دلداری فرما رہا تھا۔ عبداللہؓ بن عمرو کی قلبی کیفیت کی خبر دے کر دراصل اللہ تعالیٰ آپ کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ اے سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرنے والے! دیکھ! تیرا کیسا عشق ہم نے اپنے عارف بندوں کے دل میں بھر دیا ہے کہ عالم گزراں سے گزر جانے کے بعد بھی تیرا خیال انہیں ستاتا ہے اور تجھے میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر چلے جانے پر کس درجہ کبیدہ خاطر ہیں۔ تیرے مقابل پر انہیں جنت کی بھی حرص نہیں رہی۔ ان کی جنت تو بس یہی ہے کہ تیز تلواروں سے بار بار کاٹے جائیں۔ مگر تیرے ساتھ رہیں پھر تیرے ساتھ رہیں پھر تیرے ساتھ رہیں۔

شہیدوں کو اپنی طرف کھینچنے والا رسول

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی بہن یعنی حضرت عمروؓ بن جموح کی اہلیہ بھی اپنے بھائی ہی کی طرح رسول اللہ کی محبت میں سرا پا رنگین تھیں۔ خاوند اسی

جنگ میں شہید ہوا۔ بھائی اس جنگ میں شہید ہوا
بیٹا اس جنگ میں شہید ہوا۔ لیکن آنحضورؐ کی سلامتی
کی خوشی ان سب غموں پہ غالب آ گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں
میدانِ جنگ کی طرف حالات معلوم کرنے جا رہی تھی
کہ راستے میں مجھے عمروؓ بن جموح کی بیوی ہند ایک اونٹ
کی مہار پکڑے مدینہ کی طرف جاتی ہوئی ملی۔ میں نے اس
سے پوچھا میدانِ جنگ کی کیا خبر ہے؟ اس نے جواب
دیا کہ الحمد للہ سب خیریت ہے حضرت محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں۔ اتنے میں میری نظر
اونٹ پہ پڑی جس پر کچھ لدا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا یہ
اونٹ پہ کیا لدا ہوا ہے۔ کہنے لگی میرے خاوند عمروؓ
بن جموح کی نعش۔ میرے بھائی عبداللہؓ بن عمرو کی
نعش میرے بیٹے خلادؓ کی نعش۔ یہ کہہ کر وہ مدینہ
کی طرف جانے لگی مگر اونٹ بیٹھ گیا اور کسی طرح اٹھنے
نہ آتا تھا۔ آخر جب وہ اٹھا تو مدینہ کی طرف جانے
سے انکار کر دیا تب اس نے اس کی مہار پھر اُحد
کے میدان کی طرف موڑ دی تو وہ خوشی خوشی چلنے
لگا۔ (شرح الحرب ترجمہ فتوح العرب صفحہ ۳۵۴)

ادھر تو یہ ماجرا گزر رہا تھا اور ادھر آنحضورؐ
صحابہ سے فرما رہے تھے کہ جاؤ عمروؓ بن جموح اور
عبداللہ بن عمروؓ کی نعشیں تلاش کرو انہیں اکٹھا
دفن کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس دنیا میں بھی ایک
دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے۔ لیکن اے آقا!
وہ نعشیں تو خود تیری طرف کھنچی چلی آ رہی تھیں

اے سب محبوبوں سے بڑھ کر محبوب! تیری قوتِ جاذبہ
زندوں کی طرح شہیدوں کے جسموں کو بھی اپنی طرف
کھینچ رہی تھی۔ عشاق کا یہ قافلہ کشاں کشاں
تیرے حضور حاضر ہونے کو چلا آ رہا تھا۔

آخر جب حضرت ہندؓ نے آنحضورؐ کے قدموں پر
شہداء کی نعشوں کو ڈھیر کر دیا اور سارا واقعہ سنایا تو
آنحضورؐ نے فرمایا کہ لازماً شہادت سے پہلے عمروؓ بن جموح
نے کوئی ایسی خواہش کی تھی جو بر آئی۔ اس پہ ہند نے
گواہی دی کہ انہوں نے کچھ ایسی ہی تمنا کی تھی۔ اس پر آنحضورؐ
نے ان کے حق میں یہ کلمات فرمائے :-

"بسا اوقات خاک آلود پراگندہ بالوں
والا ایک انسان، خدا کا اتنا پیارا ہوتا ہے
کہ جب وہ اس کی ذات کی قسم کھا کر کچھ
کہتا ہے کہ ایسا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور
ویسا ہی کر دیتا ہے"

(شرح الحرب۔ فتوح العرب صفحہ ۳۵۴)

اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ڈوبا ہوا یہ ایک
عجیب خاندان تھا۔ کہ جس کا ہر فرد سراپا عشق انگیز تھا
بیٹے باپ سے بڑھ کر راہِ خدا میں جان دینے کی تمنا
رکھنے والے۔ باپ بیٹوں سے بڑھ کر شہادت کا شیدائی۔
وہ لنگڑا تھا مگر نیکی کی دوڑ میں کروڑوں انسانوں پر
سبقت لے گیا۔ جنت میں کوئی لنگڑا نہ ہوگا مگر
مجھے تعجب نہ ہو اگر چند لمحوں کے لئے۔ ہاں صرف چند
لمحوں ہی کے لئے عرش کا خدا! اس خاک آلودہ پراگندہ
بالوں والے کی یہ قسم بھی پوری کر دے کہ "میرا دل

چاہتا ہے کہ جنت میں اپنی لنگڑی ٹانگ کے ساتھ اچھلتا کودتا پھروں ۔"

اللہ اور اس کے رسول کے عشق سے سرشار یہ ایک عجیب خاندان تھا۔ بھائی دیکھو تو عبداللہ بن عمرو بن حرام کی شان کا کہ جس سے خدا خود پوچھے کہ اے میرے بندے! بتا تیری رضا کیا ہے؟ اور وہ رضا بتائے تو بس یہی کہ میں بار بار تیرے رسول کے پہلو میں جہاد کروں اور بار بار اسی حالت میں قتل کیا جاؤں۔ بہن دیکھو تو ہند جیسی بلند حوصلہ اور عالی مرتبت ایسی فدائیہ پائے رسول کہ خاوند اور بھائی اور بیٹے کی لاشیں اونٹ پر لادے ہوئے الحمد الحمد کا ورد کرتی ہوئی گھر کو جاتی ہے کہ محمد مصطفیٰ تو خیریت سے ہیں۔

بظاہر یہ واقعات ان صحابہ کی سیرت کی عکاسی کر رہے ہیں۔ لیکن چشم بینا سے دیکھو تو ان کے ہر قطرۂ خون میں محمد مصطفیٰ کا سورج بڑی دلربائی سے چمکتا ہوا دکھائی دے گا۔ یہ سیرت محمدی کا جلوہ ہی تو تھا جس نے عرب کی تاریک دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا۔ رات کی تاریکی میں جب شمع روشن ہوتی ہے تو پروانے زمین کا سینہ چیر کر بھی باہر نکل آتے ہیں اور اس حسن کی آگ میں جل جانے کو سعادت جانتے ہیں۔ میرے آقا محمد مصطفیٰ نے جب عربوں کو زندہ کیا تو وہ لاشے ہی تو تھے۔ لیکن جب وہ مردوں سے جی اٹھے اور جب نور محمدی کو جلوہ گر دیکھا تو قبروں کے سینے پھاڑ کر باہر نکل آئے اور پروانوں کی طرح اس کی طرف اپنی جانوں کے نذرانے لئے ہوئے دوڑے۔

کسی کڑے وقت میں قوم کے کردار کی عظمت دراصل رہنما کے کردار کی عظمت ہی کی شہادت دیا کرتی ہے۔ غزوہ احد میں چند ایسی ساعتیں بھی آئیں کہ ان جیسی کڑی اور حوصلہ شکن ساعتیں شاذ ہی قوموں کی زندگی میں آئی ہوں گی۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ کبھی کسی قوم نے ایسے کڑے وقتوں میں اپنے آقا کی عظمت کردار کو ایسا خراج تحسین پیش نہیں کیا جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ کے عشاق نے آپ کے حضور پیش کیا۔ ان کے خون کے ایک ایک قطرے نے گواہی دی کہ محمد مصطفیٰ سب حسین انسانوں سے بڑھ کر حسین اور سب سچوں سے بڑھ کر سچے ہیں۔ ان گواہوں میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور وہ بھی جن کا آپ سے خون کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جو رشتہ میں بڑے اور اوپر کی نسل کے تھے اور وہ بھی تھے جو برابر کا رشتہ رکھتے تھے اور وہ بھی تھے جو بیٹوں کی طرح تھے ان میں بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی تھے اور بچے بھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ وہ آخری سانس تک اسی طرح آنحضور کی صداقت کے گواہ تھے جیسے آسائش کی پُرامن گھڑیوں میں۔ جانکنی کی حالت میں بھی اکھڑے اکھڑے سانسوں کے ساتھ انہوں نے حضور اکرم پر درود بھیجے اور دعائیں کیں کہ اے خدا! جس کے طفیل ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی اسے ایسی جزا دے کہ کبھی کسی اُمت کی طرف سے کسی نبی کو نہ پہنچی ہو۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی
زخم و مرہم بہ رہ یار تو یکساں کردی
تا نہ دیوانہ شدم ہوش نہ آمد بسرم
اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احساں کردی

خون سے لکھی جانے والی عشق کی لافانی داستانیں

جان نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبداللہؓ بن جحش آنحضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے سب جانتے ہیں کہ یہ رشتہ کوئی ایسا رشتہ نہیں کہ فدائیت اور وارفتگی کے تقاضے کرتا ہو یقیناً یہ حضورؐ کی بے پناہ قوتِ حسن و احسان ہی تھی کہ جس نے عبداللہ بن جحشؓ کو عشق میں دیوانہ بنا رکھا تھا شہید ہونے کا عزم کئے ہوئے جب وہ میدانِ اُحد میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلے آنحضورؐ سے یہ عرض کیا :-

"پس اب خدا اور رسول سے میری ایک گزارش ہے اللہ سے تو یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیری پاک ذات کی قسم دیتا ہوں کہ کل کو میری ضرور دشمنوں سے اس طرح مٹھ بھیڑ ہو جائے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں اور پھر میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور میرا مثلہ بھی کریں۔ غرض پھر میں اسی طرح مقتول ہو کر اور یہ ساری سختیاں جھیل کر تیری ملاقات سے مشرف ہوں اور اس وقت تو مجھ سے پوچھے کہ یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ یہ ساری کاروائی تیرے ساتھ کیوں ہوئی۔ تو اس پر میں یہ عرض کروں کہ اے پروردگار! یہ سب باتیں میرے ساتھ محض تیری وجہ سے ہوئی ہیں۔ اور اے رسول اللہ! آپ سے یہ گزارش ہے کہ میری شہادت کے بعد میرے سب ترکہ کے مالک اور وارث آپ ہوں۔"

(شروح الحرب ترجمہ فتوح العرب صفحہ ۳۸۷)

جس خدا نے عبداللہؓ بن جحش کی شہادت کی آرزو پوری کر دی اس کی رحمت سے کب بعید ہے کہ شہادت کے بعد اسی طرح اس سے مکالمہ و مخاطبہ کرے جیسے اس کے دل کی تمنا تھی۔ آنحضورؐ کی خدمت میں حضرت عبداللہؓ بن جحش کی عرض و نیاز دراصل اُن آیاتِ قرآنی کی عملی تفسیر تھی جن میں بار بار مومنوں کو اس طرف بلایا گیا کہ :

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۔ (توبہ آیت ۴۱)

پس خدا کے حضور اپنی جان پیش کرنے کے بعد آنحضورؐ کی خدمت میں اموال پیش کرنے میں عبداللہؓ بن جحش کی حکمت یہ تھی کہ اُن کے نزدیک انفاق فی سبیل اللہ کے آداب سے آنحضورؐ سے بڑھ کر اور کوئی واقف نہ تھا۔ یہی آپ کی تحویل میں جانے والا ایک ایک پیسہ ایک ایک کوڑی راہ خدا کے سوا کسی اور مقصد پر خرچ نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح آنحضورؐ کے قدموں میں سب اموال ڈال کر وہ شہادت سے قبل یہ گواہی بھی دے گئے کہ راہِ خدا میں سب سے بڑھ کر سب سے بہتر خرچ کرنے والے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ پس اس امین کے سپرد یہ امانت کر کے وہ رخصت سے قبل ہر ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔

صحابہ کی سیرت کا یہ بھی ایک انداز تھا جو انہوں نے رسول اللہؐ سے سیکھا کہ کسی آیت کی تفسیر اس طرح کرنے کہ خود اس کی تصویر بن گئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ

عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

حضرت عُبَیدہؓ بن حارثؓ رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالمطلب کی اولاد کا آنحضورؐ کی محبت میں سرشار ہونا اہل بصیرت کے لئے آنحضورؐ کی صداقت کی ایک ایسی دلیل ہے جس کی کوئی نظیر دنیا کے پردے پر نظر نہیں آتی۔ ایک پھوپھی زاد بھائی کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اب ایک چچا زاد بھائی کا حال سنیئے جو قبل ازیں جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے لیکن مضمون کی مناسبت سے اس واقعہ کا یہاں ذکر بے محل نہ ہوگا۔ میدان جہاد میں زخم کھانے والے حضرت عُبیدہؓ جنگ بدر کے پہلے مجاہد ہیں۔ جن کی پنڈلی شیبہ کی تلوار سے کٹ گئی تھی۔ اس حالت میں ان کو آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچایا گیا کہ کٹی ہوئی ٹانگ سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔ حضورؐ کے قدموں سے لپٹ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا شمار بھی شہیدوں میں ہوگا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں تم شہید ہو۔ یہ سن کر طبیعت بشاش ہوگئی اور آنحضورؐ کے ساتھ اپنی محبت پر ناز کرتے ہوئے یہ عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے چچا ابو طالب اگر آج زندہ ہوتے تو یقیناً انہیں آج اقرار کرنا پڑتا کہ وہ شعر جو انہوں نے آپ کی تائید میں کہے تھے وہ ان سے زیادہ مجھ پر صادق آرہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اشعار پڑھے جو یہ تھے:-

کَذَبْتُمْ وَبَیْتِ اللّٰہِ نُخْلِیْ مُحَمَّدًا
وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَہٗ وَنُنَاضِلُ
وَنُسْلِمُہٗ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَوْلَہٗ
وَنَذْھَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلُ

کہ اے قریش خدا کے گھر کی قسم تم یہ بات جھوٹ کہتے ہو کہ محمدؐ کو اکیلا چھوڑ دیں گے اور اس کی حمایت میں نیزہ بازی اور تیر اندازی نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم تو ایسے زور کی حمایت کریں گے کہ اسے بچاتے ہوئے ہم اس کے چاروں طرف قتل ہو ہو کر گریں گے اور اس کی حمایت میں اپنے بال بچوں اور عورتوں کو بھی بھول جائیں گے۔
(شروح الحرب ترجمہ فتوح العرب صفحہ ۱۷۲)

نثاران محمدؐ جو آنحضورؐ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔

مجاہدین اُحد میں کچھ تو وہ تھے جنہوں نے آنحضورؐ کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان نچھاور کر دی پس خدا نے ان کی قربانیوں کو قبول فرمایا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن پر حضور کی شہادت کی خبر بجلی بن کر گری اور ان کے خرمن ہوش و حواس کو خاکستر کر گئی۔ وہ جیتے جی مُردہ کی طرح ہو گئے۔ اور غم و حزن کی تصویریں بنے ہوئے ادھر ادھر پتھروں پہ بیٹھ رہے۔

ایک تیسرا گروہ بھی تھا جس کا ردّ عمل کچھ اس طرح ظاہر ہوا کہ جینے سے نفرت ہوگئی اور دنیا کی زندگی کے منہ پر تھوکتے ہوئے دیوانوں کی طرح باب شہادت کی طرف دوڑے۔ انہوں نے بہت تیزی کی اور عجلت سے

کام کیا اور اس کے بند ہونے سے قبل وہ اس سے گزر کر اس نادرا جہان میں پہنچ گئے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ آنحضورؐ تشریف لے جا چکے ہیں۔

اللہ! اللہ! تلاشِ حبیب میں دیوانوں کا یہ کیسا عجیب سفر تھا۔ واقدی کا بیان ہے:۔

"احد کے روز جس وقت مسلمانوں کی حالت خراب ہو گئی اور سب کے سب گھبرا کر بے اوسانی کی حالت میں تتر بتر ہو گئے تو اس وقت حضرت ثابتؓ بن دحداحہ آگے بڑھے اور زور زور سے کہنے لگے۔ اے انصار کی جماعت تم کدھر بھاگے جاتے ہو۔ دیکھو میری طرف دیکھو۔ میں ثابت بن دحداحہ ہوں اور میرے پاس آجاؤ۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو کیا ہوا۔ خدا تو زندہ ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ جس کے لئے تم لڑنے کو آئے ہو۔ سو تم اپنے دین کی حمایت میں جانبازی کرو۔ خدا ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ اور دشمنوں پر تمہیں فتح دے گا۔ چنانچہ چند آدمی انصار میں سے ان کی آواز سن کر ان کے پاس آگئے اور انہیں چند آدمیوں کو لے کر مشرکوں پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے اور مشرکوں کی طرف سے بھی ان کے مقابلہ کے واسطے ایک ہتھیار بند فرقہ آ ڈٹا۔ جس میں ان کے بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ حضرت دحداحہؓ اور جو جو فدائیین ان کے ساتھ تھے وہ سب کے سب وہاں شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جنگ احد کے آخری شہداء تھے۔" (شروح الحرب ترجمہ فتوح العرب ص۳۷۵ تا ۳۷۶)

حضرت انسؓ بن نضر جو انسؓ بن مالک کے چچا تھے۔ ان کی کیفیت راوی اس طرح بیان کرتا ہے کہ:۔

"احد کے روز جب مسلمان شکست کھا کر بھاگنے لگے تو ہم چند مسلمان اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی عرصہ میں اتفاق سے انسؓ بن نضر بن ضمضم بھی گزرے اور ہمیں بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمانے لگے کہ تم جنگ سے کیوں بیٹھ رہے۔ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے ہیں اب ہم لڑ کر کیا کریں۔ یہ سن کر حضرت انسؓ بن نضر فرمانے لگے کہ حضور کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ پس اٹھ کھڑے ہو اور جس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر مٹے ہیں تم بھی لڑ کر اسی بات پر مر مٹو۔ اور اپنی جان کھو دو۔ یہ فرما کر انہوں نے جلدی سے اپنی تلوار اٹھا لی اور مشرکوں پر بیجانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ آخر کار خود بھی شہید ہو گئے۔ ایسے حال میں کہ ان کے چہرے پر بہتر زخم آئے جس سے وہ پہچانے بھی نہ جاتے تھے۔"

(شروح الحرب ترجمہ فتوح العرب ص۳۷۲ تا ۳۷۳)

حضرت عباسؓ بن عبادہ نے جوش میں آ کر اپنے سر سے خود کو اتار دیا اور اپنی زرہ کو بھی نکال دیا۔ پھر حضرت خارجہؓ سے کہنے لگے کہ اگر آپ کو میری زرہ اور میرے خود کی ضرورت ہو تو لے لیجئے۔ حضرت خارجہؓ نے فرمایا کہ مجھے تو کچھ ضرورت نہیں اور جو کچھ آپ کی نیت ہے وہی میری بھی نیت ہے۔ غرض یہ سب کے سب اپنی اپنی زرہ وغیرہ سب چیزیں اتار کر اور سر بکف ہو کر مشرکوں کے ٹڈی دل میں گھس گئے اور حضرت عباسؓ بن عبادہ یہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ اگر خدانخواستہ

ہماری آنکھوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو ہم خدا کو کیا منہ دکھائیں گے اور اس کے سامنے کیا کہیں گے۔ اور حضرت خارجہؓ ان کی تائید کرتے جاتے تھے۔" (فتوح العرب صفحہ ۳۴۴)

پس ان دونوں کی دلی آرزو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی اور وہیں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ سیرت ابن ہشام میں شہداء کی جو فہرست دی گئی ہے۔ اس میں حضرت خارجہؓ کا ۱۴ واں نام ہے اور حضرت عباسؓ بن عبادہ کا ۵۲ واں نام درج ہے اللہ تعالیٰ ان عظیم شہداء کے انگ انگ پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے اور تا ابد ہمارے محبوب آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ان کو جگہ دے کیونکہ دراصل یہ چاروں شہداء یعنی حضرت ثابت بن دحداحہ اور حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت عباسؓ بن عبادہ اور حضرت خارجہؓ بن زید اس لائق ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے فراق کا شہید کہا جائے۔ آنحضورؐ کی شہادت کی خبر نے دنیا ان پر اندھیر کر دی تھی اور ہجر کی بے قراری انہیں مزید اب یہاں ٹھہرنے نہ دیتی تھی۔ پس اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کیا تھی کہ شہادت کا باب ابھی کھلا تھا۔ اور یکے بعد دیگرے یہ کہتے ہوئے اس میں داخل ہو گئے۔

آنحضورؐ کا ایک انقلاب آفریں اعلان

قرآن کریم کے اس ارشاد سے کون مسلمان واقف نہیں کہ ایک ایسا کڑا وقت بھی جنگ احد میں آیا تھا کہ آنحضورؐ دوڑتے ہوؤں کو پیچھے سے آوازیں دے کر بلا رہے تھے مگر کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ اس واقعہ نے ہمیشہ سیرت نگاروں کو سخت تعجب میں مبتلا کئے رکھا ہے کیونکہ بظاہر یہ بات اسوۂ صحابہ کے منافی نظر آتی ہے اور اگر قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصدیق نہ کی ہوتی تو کسی مسلمان کا دل اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ یہاں یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ احد کے میدان سے جن بھاگنے والوں کا ذکر ملتا ہے وہ کوئی منافق نہ تھے بلکہ ان میں بعض اعلیٰ پائے کے صحابہ بھی شامل تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا حملہ ہی اتنا شدید اور اچانک تھا کہ اس نے انہیں سراسیمہ اور حواس باختہ کر کے رکھ دیا اور اس ریلے کے آگے وہ اس طرح بے بس و بے اختیار ہو گئے جیسے سیلاب میں تنکے بہہ جاتے ہیں۔ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت کہ وہ عمداً قصوروار نہ تھے بلکہ محض لغزش کے مرتکب تھے یہ ہے کہ بعد ازاں آنحضورؐ نے ان میں سے کسی کو سرزنش نہ فرمائی۔ نہ ہی کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار کیا۔ حالات ہی اچانک کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ جن میں بڑے بڑے سورماؤں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اپنی جگہ پر یہ سب درست ہے لیکن یہ سوال پھر بھی وہیں رہتا ہے اور ذہن کو ماؤف کئے دیتا ہے کہ آخر ان کے لئے یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ آنحضورؐ کے بلانے کے باوجود دوڑتے ہی چلے جائیں اور مڑ کر بھی نہ دیکھیں۔ بہت غور کے بعد میں اس قطعی نتیجہ پر پہنچا

ہوں کہ دراصل انہیں اس بات کا علم ہی نہ ہو سکا کہ انہیں کون بلا رہا ہے آنحضورؐ زرہ پوش تھے اور آنکھوں کے سوا چہرہ مبارک نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح آپ کی آواز بھی زرہ کا پردہ حائل ہونے کے باعث پہچانی نہیں جا رہی تھی چنانچہ جیسا کہ حضرت کعبؓ بن مالک کی روایت گذر چکی ہے انہوں نے بھی جب ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر آپ کو پالیا تو صرف آپ کی آنکھوں کی حسین چمک کی بدولت آپ کو پہچان سکے ورنہ اور کوئی ذریعہ آپ کو پہچاننے کا نہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ خود بھی اس راز کو پا گئے۔ چنانچہ مسلمانوں پر قطعی طور پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کون انہیں اپنی طرف بلا رہا ہے آپ نے ایک ایسا اعلان فرمایا جس کے بعد کسی غلط فہمی کا سوال باقی نہ رہنا تھا کیونکہ یہ ایک اعلان تھا جو ہمارے محبوب آقا آنحضورؐ کے سوا کسی اور زبان پر زیب نہ دیتا تھا اور سننے والے عشاق کے لئے کسی شک کی گنجائش نہ چھوڑتا تھا کہ یہ خاص انداز محبوبی میں بلانے والا کون ہے:۔

”حضرت یعقوب بن عمرؓ بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لڑائی کا بہت زور پڑ گیا اور سارے مشرک ایک دم آپ ہی پر ٹوٹ پڑے اور حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت ابودجانہؓ جان پر کھیل کر حضورؐ کی امداد کو حاضر ہوئے اور دشمنوں کو آپ کے پاس سے دم کے دم میں دفع دفع کر دیا اور خود زخموں سے چور چور ہو گئے تو حضورؐ نے مسلمانوں کو آواز دے کر یہ فرمایا کہ اس وقت کون ہے جو مجھ پر اپنی جان نچھاور کرے۔ یہ آواز کیا تھی۔ ایک صور پھونکا جا رہا تھا۔ جس نے عاشقوں کو دیوانہ سا کر دیا۔ انصار میں حضرت زیادہؓ بن سکن کے کانوں میں جب یہ آواز پڑی تو انصار کی ایک ٹولی لے کر جن کی تعداد پانچ یا سات بیان کی جاتی ہے۔ کودتے اور پھلانگتے ہوئے حضرت محمد مصطفٰےؐ کے حضورؐ حاضر ہو گئے اور اس بے جگری سے آپ کے سامنے لڑے کہ دشمن کی ہر یلغار کو بار بار پسپا کر دیا یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر وہ سب کے سب میدان جہاد میں کٹ کٹ کر گرے۔ اتنے میں حضورؐ کی دعوت عام پھیل گئی اور جس جس نے بھی سنی دوڑتا ہوا حضور کی طرف لپکا اور ایک بڑی جماعت جاں نثاروں کی آپ کے گرد اکٹھی ہو گئی اور دشمن کا حملہ کلیتہً ناکام و نامراد بنا دیا گیا۔

تب حضور اکرمؐ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور زیادہؓ کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت زیادہؓ کے سب ساتھی شہید ہو چکے تھے لیکن اُن میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ ہر چند کہ چودہ گہرے زخم لگے تھے۔ جن میں سے ہر ایک جان لینے کے لئے کافی تھا۔ خدا کی تقدیر نے ایک خاص مقصد کے لئے ان کے چھلنی بدن ہی میں جان کو روک رکھا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار عاشق کو اس فدائیت کی ایک جزاء دینی تھی اور جب تک یہ نہ ہو جاتا موت کو رُکے رہنے کا اذن تھا۔ پس آنحضورؐ کے حکم پر جب صحابہ نے زیادہؓ کے چور چور بدن کو حضورؐ کے قریب ڈال دیا تو حضورؐ نے فرمایا اُسے میرے اور قریب

کرو۔ صحابہ نے تعمیل ارشاد کی اور فرمایا اور بھی قریب کرو۔ یہاں تک کہ جب وہ عین قدموں میں لٹا دیئے گئے تو آنحضورؐ نے اپنا پاؤں آگے بڑھایا اور فرمایا۔ اس پاؤں پر اپنا سر رکھ دو۔ پس حضرت زیادہؓ نے اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ کر آخری سانس لیا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اللہ! اللہ! کسی عاشق اور معشوق کے درمیان ایسا ناز و نیاز کا ماجرا پہلے کب آسمان کی آنکھ نے دیکھا تھا۔ حضورؐ کی اس شان محبوبی کے نثار دلداری کی تو آپ نے حد کر دی۔ کیسے اس جان نثار کی دلی آرزو پوری کی۔ کیسے اس وفا شعار سے وفا کی اور اپنے قدموں پر اس کا سر رکھ کر ہر سر بلند سے اس سر کو بلند تر کر دیا۔ بلاشبہ ہر دیکھنے والے کی آنکھیں ہزار حسرت سے اس نظارہ کو دیکھ رہی ہوں گی اور ہر دل میں اشک کی آگ سی بھڑک اٹھی ہو گی کہ کاش اس سر کی بجائے ہمارا سر اُن قدموں پر دھرا ہوتا۔

لیکن حضورؐ کے اس فعل کی حکمت اس سے کہیں زیادہ گہری تھی جو بظاہر دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر آنحضورؐ یہ جانتے تھے کہ قیامت کے روز ہر شہید اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں وہ جان دے گا۔ پس حضورؐ نے زیادہؓ کو جو جزا دی وہ دنیا کی ہی نہیں آخرت کی بھی بہترین جزا دی تھی۔ حضورؐ یہ چاہتے تھے کہ قیامت کے روز ایک سر! ہاں وہ ایک زیادہ انصاری کا سر میرے ہی قدموں پر زندہ کیا جائے اور میرے ہی قدموں پر زندہ کیا جائے اور میرے ہی قدموں پر سے اٹھایا جائے۔ اے اُحد کی زمین! تجھ پر نثار۔ تیری داستانیں لازوال ہیں۔ تو نے شہیدوں کے خون سے آسمانِ شہادت پر کیسے کیسے رنگ بھرے اور کیسے کیسے دل نواز نقش و نگار بنائے ہیں۔

ایک عجیب ایفائے عہد اور آپ کی صداقت پر دشمن کی گواہی

اُبی بن خلف ایک جنگجو مشرک تھا جس کا بیٹا غزوہ اُحد میں قیدی بنا لیا گیا تھا۔ وہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو رہائی دلانے کے لئے اور دیت کی رقم طے کرنے مدینہ آیا تو آنحضورؐ سے کہا کہ میرا ایک بڑا مُنہ زور اور تنومند گھوڑا ہے جسے میں اس نیت سے خوب کھلا پلا کر خوب ہٹا کٹا کر رہا ہوں کہ ایک دن اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر آپ کو قتل کر دوں۔ آنحضورؐ نے جواباً صرف اتنا فرمایا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا اور حضورؐ کا یہ قول اس کی تقدیر بن کر آسمان پر لکھا گیا۔ جنگ اُحد کے اختتام پر جب دشمن کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور میدان ٹھنڈا پڑ گیا تو آنحضورؐ اُحد کے دامن میں ایک محفوظ مقام پر اپنے صحابہ کے ساتھ کچھ عرصہ سستانے کے لئے ٹھہرے اچانک ایک سوار نمودار ہوا جو ایک خاص ارادہ سے سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ دیکھا تو یہ اُبی بن خلف تھا جو اسی گھوڑے پر سوار آنحضرتؐ کے قتل کی نیت سے

بڑھتا چلا آرہا تھا۔ آنحضورؐ کے گرد صحابہ گھیرا باندھے کھڑے تھے انہوں نے اجازت طلب کی کہ وہ اس حملہ آور کا کام تمام کر دیں۔

ہر چند کہ تمام دن کی خوفناک جنگ کے باعث حضورؐ سخت تھکے ہوئے تھے۔ سر زخمی تھا، چہرہ زخمی تھا دندان شہید ہو چکے تھے۔ خون اتنا بہا تھا کہ کسی صورت تھمنے میں نہ آتا تھا۔ پتھریلی زمین پر گرنے کے باعث دونوں گھٹنے چوٹ کھائے ہوئے اور بری طرح چھلے ہوئے تھے۔ آپ کی عمر اس وقت چھپن ۵۶ برس تھی۔ ہر چند کہ یہ تمام امور قدم تھامے ہوئے تھے۔ آنحضورؐ کے عزم کی ایک جنبش نے یہ زنجیریں توڑ ڈالیں۔ ایفائے عہد کا تقاضا ہر مصلحت اور مجبوری پر بلا تردد غالب آگیا۔ آپؐ نے صحابہ کو اجازت نہ دی اور فرمایا میں خود اس کا مقابلہ کروں گا۔ یہ کہہ کر حضورؐ نے ایک نیزہ اٹھایا اور صحابہ کا ہجوم چیرتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت آپ کے نیزے سے ایک ایسی چمک سی پیدا ہوئی کہ جس طرح بجلی کے کڑکنے سے اور ہماری یہ حالت ہوئی کہ جس طرح بعض اوقات بجلی کی چمک سے اونٹ اس شدت سے کانپتا ہے کہ اس کے رونگٹے جھڑے جاتے ہیں ہمارے بدنوں پر بھی ایک کپکپی طاری ہو گئی۔ آنحضورؐ آگے بڑھے اور عین اُس جگہ جہاں خود اور زرہ ملتے تھے اس کی گردن پر نیزے کا وار کیا جس سے وہ چکرا کر گھوڑے کی پیٹھ پر دو تین بار گھوما اور گھوم کر گر گیا۔ اس کے پیچھے اس کے کچھ ساتھی آ رہے تھے جنہوں نے دوڑ کر اسے تھام لیا اور واپس لے گئے۔ لشکر میں پہنچ کر اس نے بہت واویلا کیا کہ میں مرا جاتا ہوں۔ اس پہ لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ معمولی زخم ہے تو ہرگز اس سے نہیں مرے گا۔ لیکن اُس نے جواب دیا دیکھو محمدؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے ہاتھوں قتل ہو گا۔ پس اس کا وعدہ ضرور پورا ہو گا۔ یہ تو پھر ایک زخم ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ میرے منہ پہ تھوک بھی دیتا تو میں ضرور مر جاتا۔ چنانچہ وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا اور مکہ لوٹتے ہوئے دوسرے یا تیسرے پڑاؤ پہ مر گیا۔

شامِ اُحد

دُنیا کے شاعر شامِ ستلج یا شامِ بیاس کے حُسن کی باتیں کرتے ہیں یا سُندر بن میں ڈوبنے والے سورج کے سُندر سمے کے گیت گاتے ہیں لیکن میں آج آپ کو ایک حسین تر شام کے کچھ قصے سُناتا ہوں یہ ایک سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی شام تھی جس کی شفق روتی ہوئی آنکھوں کی طرح گلابی تھی۔ اور بھیگی ہوئی پلکیں اپنے حُسن میں یکتا تھیں یہ شام شامِ اُحد تھی۔ جس میں ماتم بھی تھا اور ماتم پُرسیاں بھی۔ جس میں بیمارِ عشق بھی تھے اور ناز و ادا کی تیمار داریاں بھی۔ لیکن عجیب تر بات یہ تھی کہ وہ جس کا دل سب سے زیادہ غم سے بھرا ہوا تھا وہی تھا جو سب کا غمگسار بھی تھا۔ ہر ایک صاحبِ غم دلداری کے لئے اس کے پاس آتا تھا اور وہ ایک عجیب شانِ محبوبی

کے ساتھ ہر ایک کی دلداری کرتا تھا۔ یہ وہ شام تھی جب شفقِ شام نے عبادت کا ایک ایسا منظر دیکھا جو سورج سے بڑھ کر روشن تھا۔ وہ ایک ایسی شام تھی جس نے قیامِ نماز کا ایک ایسا نظارہ کیا کہ گردشِ لیل و نہار کو پھر قیامت تک نصیب نہ ہونا تھا۔

شہداء کی تدفین

آیئے! اب ہم شامِ اُحد کی کچھ باتیں کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جب جنگ کے بادل چھٹ گئے اور دشمن حضورؐ کو ہلاک کرنے کی حسرت لئے ہوئے خائب و خاسر لوٹ گیا۔ تو حضورؐ کی یہ شام کیسے بسر ہوئی۔

سب سے پہلے تو حضورؐ نے اپنی نگرانی میں شہداء کی تدفین کا انتظام فرمایا۔ یہ نظارہ بڑا پُر درد تھا لیکن خُلقِ محمدیؐ نے اس درد کو بھی ایک حسن کی چادر پہنا رکھی تھی۔ آپ کی فطرت پھولوں سے زیادہ لطیف اور معطر تھی اور کوئی ایک گھڑی بھی مہک اور خوشبو سے خالی نہ تھی۔ تمام دن کی شدید تعب اور تھکن اور زخموں کی کسک کے باوجود آپ نے شہیدوں کی تدفین میں کسی افراتفری یا جلد بازی سے کام نہ لیا بلکہ بڑی احتیاط کے ساتھ یہ معلوم کر کے کہ اس دُنیا میں کون کس کے زیادہ قریب تھا۔ جہاں تک ممکن ہُوا اقرباء اور محبت کرنے والوں کو ایک ساتھ دفن کرواتے رہے۔ حضرت عمروؓ بن جموح کے ساتھ ان کے برادرِ نسبتی عبداللہؓ بن عمرو بن حرام کو یہ کہہ کر دفن فرمایا کہ دُنیا میں دونوں بہت ہی عزیز دوست تھے حضرت حمزہؓ کے ساتھ اُن کے بھانجے عبداللہؓ بن جحش کو اکٹھا کیا اور جہاں دوسرا قرابت کا رشتہ نہ پایا۔ وہاں حفظ قرآن کو ہی معیار قرابت قرار دیا۔ عربوں کے نزدیک ہم مشرب اور ہم پیالہ ہونا باہمی قرب اور انس کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ آنحضورؐ نے ہم مشرب کہلانے کے لئے جو پیمانہ مقرر فرمایا وہ کتاب اللہ کا پیمانہ تھا۔ یہ وہ پیمانہ نہ تھا جس میں فرق کے ساتھ کلامِ الٰہی کی شراب بٹتی تھی۔ آپ نے حکم دیا جو شہداء حفظِ قرآن میں ہم مرتبہ ہوں یا قریب تر ہوں ان کو ایک ساتھ دفن کیا جائے۔

بہترین ہمدرد و مُونس

شہدا کی تدفین کی نگرانی کے ساتھ دُکھیا دلوں کی غم خواری بھی فرماتے جاتے۔ شہداء کے وارثین کو بڑی ملائمت اور پیار اور حکمت عملی کے ساتھ اُن کے پیاروں کی شہادت کی خبر دیتے۔ آپؐ کا انداز ایسا انوکھا تھا اور بات ایسی دل میں اترنے والی تھی کہ غم ناک خبر کی اطلاع کے ساتھ ساتھ دلجوئی بھی ہوتی چلی جاتی تھی اور صبر نہ بھی آتا ہوتو محمد مصطفٰےؐ کے انفاسِ قدسیہ کی برکت سے آپ ہی آجاتا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام کی شہادت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی جو بندہ نوازی فرمائی۔ اس کا ذکر ان کے بیٹے جابرؓ بن عبداللہ سے فرما کر ان کے زخم پر پھاہا رکھ دیا۔ بلکہ ایک عارضی غم کے بعد ایک ایسی

جاودانی خوشخبری عطا فرمائی جو بعد ازاں تادم مرگ ان کی خوشیوں کا سرمایہ بنی رہی۔

وہ صحابہ یا صحابیات جن کے اقرباء میں شہید ہونے والوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہوتی ان کو ٹھہر ٹھہر کر اس انداز میں خبر دیتے کہ صدمہ یک لخت دل کو مغلوب نہ کرلے چنانچہ جس وقت حضورؐ کی خدمت میں حضرت عبداللہؓ کی بہن مسماۃ حمنہ دختر جحش حاضر ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا اے حمنہ! تو صبر کر اور خدا سے ثواب کی امید رکھ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کے ثواب کی۔ آپؐ نے فرمایا اپنے ماموں حمزہؓ کی تب حضرت حمنہؓ نے کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ غَفَرَ لَہٗ وَ رَحِمَہٗ ھَنِیْئًا لَہٗ الشَّھَادَۃُ۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ اے حمنہ صبر کر اور خدا سے ثواب کی امید رکھ اس نے عرض کیا۔ کہ یہ کس کے ثواب کی؟ آپؐ نے فرمایا اپنے بھائی عبداللہ کی۔ اس پر حمنہ نے پھر یہی کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ غَفَرَ لَہٗ وَ رَحِمَہٗ ھَنِیْئًا لَہٗ الشَّھَادَۃُ۔ آپؐ نے فرمایا اے حمنہ صبر کر اور خدا سے ثواب کی امید رکھ انہوں نے عرض کیا حضور یہ کس کے لئے؟ فرمایا مصعبؓ بن عمیر کے لئے۔ اس پر حمنہ نے کہا ہائے افسوس! یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا کہ واقعی شوہر کا بیوی پر اتنا بڑا حق ہے کہ کسی اور کا نہیں۔ مگر تو نے یہ ایسا کلمہ کیوں کہا؟ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اس کے بچوں کی یتیمی یاد آگئی تھی جس سے میں پریشان ہوگئی اور پریشانی کی حالت میں یہ کلمہ میرے منہ سے نکل گیا۔ یہ سن کر حضورؐ نے مصعبؓ کی اولاد کے حق میں یہ دعا کی کہ اے اللہ! ان کے سرپرست اور بزرگ ان پر شفقت اور مہربانی کریں اور ان کے ساتھ سلوک سے پیش آویں۔

(شروع الحرب ترجمہ فتوح العرب صفحہ ۳۸۸)

یتیموں کا والی

یتیموں پر آپ اس درجہ شفیق تھے اور ان کی خبر گیری کا ایسا خیال رہتا تھا کہ سب محبت کرنے والے غلاموں نے بھی آنحضورؐ ہی کا رنگ پکڑ لیا اور مجاہدین اسلام کو یہ فکر نہ رہی تھی کہ پیچھے ان کی اولادوں کا کیا بنے گا۔ یتیموں کے سر پر سے شفقت کا ایک سایہ اٹھتا تھا تو سو شفقت کے سائے اس کی جگہ لینے کے لئے آگے آجاتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت ابو بکرؓ کو اس حال میں دیکھا کہ زمین پر لیٹے ہوئے اپنی چھاتی پر ایک بچی کو سوار کر رکھا ہے اور والہانہ اس سے پیار کر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو فرمایا یہ مجھ سے بہتر ایک ایسے انسان کی بیٹی ہے جس کا نام سعدؓ بن ربیع تھا اور جو احد کی جنگ میں شہید ہوا۔

(سیرت النبیؐ - ابن ہشام صفحہ ۷۹)

یہ وہی سعدؓ بن ربیع ہیں کہ غزوہ احد کے دوران جن کی تلاش میں آنحضورؐ نے ایک صحابی کو بھجوایا تو وہ اس وقت جان بلب تھے اور ضعف کا یہ عالم تھا کہ یہ سننے کے باوجود کہ مجھے بلایا جا رہا ہے جواب دینے کی طاقت نہیں تھی۔ تب اس پکارنے والے نے پکارا کہ اے سعدؓ بن ربیع! مجھے خدا کے رسول نے تجھے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے۔

اس فقرے کا اس کے منہ سے نکلنا تھا کہ نعشوں کے ایک ڈھیر میں ایک بدن نے شدید جھرجھری لی گویا اس کی مختصر کائنات پہ ایک زلزلہ سا آگیا ہے۔ یہ سعدؓ بن ربیع تھے جو آنحضورؐ کا نام سن کر برداشت نہ کر سکے تھے کہ لبیک کہے بغیر دم توڑ دیں۔ چنانچہ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوت کا آخری قطرہ تک سمیٹ کر بمشکل مجھے جواب دیا کہ بھائی آؤ میں ادھر ہوں آؤ اور میرے آقا کی جناب میں میرا ایک پیغام تو لیتے جاؤ۔ وہ پیغام یہ ہے کہ اللہ آپ کو بہترین جزا دے جو کبھی کسی امت کی طرف سے اس کے نبی کو پہنچی ہو۔ اور صحابہ کو بھی میرا ایک پیغام دینا۔ دیکھو! تمہارے جیتے جی اگر دشمن رسول اللہؐ تک پہنچ گیا تو تم خدا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوگے۔"

حضرت صفیہؓ سے صبر کا وعدہ لینا اور ان کے ساتھ حضرت حمزہؓ پر خاموش آنسو بہانا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہؓ سے جو پیار تھا۔ اس کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے جو احد کی شام آنحضورؐ نے حضرت حمزہؓ کی نعش پر کھڑے ہو کر فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ اے حمزہؓ۔ مجھے آج جو غصہ اور جو تکلیف تیرے مقتل پر کھڑے ہو کر پہنچی ہے آئندہ کبھی مجھے ایسی تکلیف نہ دکھائے گا۔ اس وقت آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ حضرت حمزہؓ کی بہن بھی یہ خبر سن کر وہاں چلی آئیں تو اس خوف سے کہ کہیں صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے پہلے تو آپؐ نے انہیں نعش دیکھنے کی اجازت نہ دی لیکن جب انہوں نے صبر کا وعدہ کیا تو اجازت فرما دی۔ حضورؐ کے ارشاد پر روکنے والوں نے جب حضرت صفیہؓ کا راستہ چھوڑ دیا تو وہ حضرت حمزہؓ کے مقتل پر حاضر ہوئیں اور شیر خدا اور شیر رسول اپنے پیارے بھائی کی لاش اس حالت میں سامنے پڑی دیکھی کہ ظالموں نے سینہ پھاڑ کر کلیجہ نکال لیا تھا اور چہرے کے نقوش بھی بری طرح بگاڑ دیئے تھے۔ ہر چند کہ سینہ غم سے بیٹھا جاتا تھا۔ حضرت صفیہؓ اپنے صبر کے وعدہ پر قائم رہیں اور ایک کلمہ بے صبری کا منہ سے نکلنے نہ دیا۔ لیکن آنسوؤں پر کسے اختیار تھا۔ اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور روتے روتے وہیں بیٹھ گئیں۔ حالت یہ تھی کہ غمزدہ خاموش آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی راوی کہتا ہے کہ آنحضورؐ بھی پاس بیٹھ گئے۔ آپ کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ جب حضرت صفیہؓ کے آنسو مدہم پڑتے تو حضورؐ کے آنسو بھی مدہم پڑ جاتے۔ جب حضرت صفیہ کے آنسو تیز ہوتے تو آنحضورؐ کے آنسو بھی تیز ہو جاتے۔ چند منٹ اسی حالت میں گزرے۔ پس آنحضورؐ اور اہل بیت کا نوحہ ان چند خاموش آنسوؤں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور یہی سنت ہوئی ہے۔

مدینہ میں داخل ہونے کا منظر

آپؐ مدینہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور گھر گھر سے شہدائے احد کی یاد میں نوحہ کرنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

حضورؐ نے سنا تو بڑے درد سے فرمایا :-

اَمَّا حَمْزَۃُ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ

یعنی حمزہؓ کو تو کوئی رونے والا نہیں۔ ہاں حمزہؓ کو رونے والا ہو بھی کون سکتا تھا کہ اہل بیت کو تو صبح و شام صبر کی تلقین ہوا کرتی تھی۔ حضرت حمزہؓ کی بہن ایک صفیہؓ تھیں جن کو بھائی سے شدید محبت تھی مگر آنحضورؐ خود نعش دکھانے سے قبل اُن سے صبر کا وعدہ لے چکے تھے۔ بہرحال حضورؐ کے اس دردبھرے فقرے کو جب بعض انصار نے سنا تو تڑپ اُٹھے اور گھروں کی طرف دوڑے اور بیبیوں کو حکم دیا کہ ہر دوسرا ماتم چھوڑ دو اور حمزہؓ پہ ماتم کرو۔ دیکھتے دیکھتے ہر طرف سے حمزہؓ کے لئے آہ و بکا کا ایک شور بلند ہوا۔ اور ہر گھر حمزہ کا ماتم کدہ بن گیا۔ انصار بیبیاں حمزہؓ کے نوحے پڑھتی اور آنسو بہاتی۔ آنحضورؐ کے رحمت کدہ پر اکٹھی ہو گئیں آنحضورؐ نے شور سن کر باہر دیکھا تو انصار بیبیوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے ان کی ہمدردی پر ان کو دعا دی اور شکریہ ادا کیا۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ پس اس دن سے نوحے کی رسم متروک کر دی گئی۔

آنحضورؐ کے قدموں پہ ہماری جانیں نثار ہوں۔ کس شان کا معلم اخلاق تھا جو روحانیت کے آسمان سے ہمیں دین سکھانے نازل ہوا۔ کیسا صاحب بصیرت اور زیرک تھا یہ نصیحت کرنے والا جس کی نظر انسانی فطرت کے پاتال تک اتر جاتی تھی۔ اگر اس وقت آنحضورؐ انصار بیبیوں کو نوحہ کرنے سے منع فرما دیتے۔ جب وہ اپنے شہیدوں کا نوحہ کر رہی تھیں تو شاید بعض دلوں پہ یہ شاق گزرتا اور یہ صبر اُن کے لئے صبر آزما ہو جاتا لیکن دیکھو کیسے حکیمانہ انداز میں آپ نے پہلے دل کے ماتم کا رخ اپنے چچا حمزہؓ کی طرف پھیرا اور پھر جب نوحہ سے منع فرمایا تو گویا اپنے چچا کے نوحہ سے منع فرمایا۔ اللہ کا انتخاب اللہ ہی کا انتخاب ہے۔ دیکھو اپنی مخلوق کے لئے کس شان کا نصیحت کرنے والا بھیجا جو انسانی فطرت کی باریکیوں اور لطافتوں سے خوب آشنا تھا اور اپنے غلاموں کے لطیف جذبات کا کیسا خیال رکھنے والا تھا۔ آنحضورؐ کی ان حسین اداؤں پر جب نظر پڑتی ہے تو دل سینے میں اچھلتا اور فریفتہ ہونے لگتا ہے اور بے اختیار دل سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ ہماری جانیں ہمارے اموال ہماری اولادیں تیرے قدموں کے نثار ان گلیوں کے نثار جو خوش بختی سے تیرے قدم چھوتی تھیں۔ اے اللہ کے رسول! تجھ پہ لاکھوں درود اور کروڑوں سلام! ایسے وہ کہ جس کے حسن و احسان کا سمندر ایسا کنار اور انتھاہ اور لافانی ہے۔ اے اللہ کے رسول تجھ پر لاکھوں درود اور کروڑوں سلام۔ زمین و آسمان کے واحد و یگانہ خدا کی قسم! زمین و آسمان میں اس کی تمام مخلوق میں تو واحد اور یگانہ ہے تجھ سا نہ کوئی تھا نہ ہے نہ ہوگا۔

غلام نوازی

ایسے رؤوف و رحیم کہ اپنے سے بڑھ کر اپنے

غلاموں کا خیال رہتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ جب اُحد کے روز میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے ابو بکرؓ تو اپنے چچازاد بھائی کی ملاقات اور عیادت کو جا۔ لہٰذا میں آپ کے حکم کے بموجب طلحہؓ بن عبید اللہ کے پاس آیا تو ان کا یہ حال تھا۔ کہ خون تو ان کا سارا بہہ گیا تھا اور وہ بہت ناتواں اور بے ہوش ہو رہے تھے۔ اس لئے مَیں نے ان کے منہ پہ پانی چھڑکنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ گئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ مَیں نے کہا خیریت سے ہیں اور مجھے حضورؐ نے ہی تمہارے پاس بھیجا ہے۔ سُن کر وہ ذرا خوش ہوئے اور بولے خدا کا شکر ہے ہر مصیبت کے بعد آسانی ہو جاتی ہے۔

(شروع الحرب ترجمہ فتوح العرب ص۱۴۵)

آنحضورؐ کا کوئی فعل تصرفِ الٰہی سے باہر نہ تھا چنانچہ اس واقعہ میں تصرفِ الٰہی نمایاں طور پہ کارفرما نظر آتا ہے۔ آنحضورؐ کا حضرت ابو بکرؓ کو طلحہؓ کی عیادت کے لئے بھجوانا آپ کا ایک ایسا برمحل اور بروقت اقدام تھا جو طلحہ کی جان بچانے کا موجب ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے ظاہر ہے حضرت طلحہؓ کی بے ہوشی پہ بھی آنحضورؐ ہی کا فکر غالب تھا۔ آنکھ کھلتے ہی یہ پوچھا کہ حضور اکرمؐ کا کیا حال ہے۔ اس انتہائی کمزوری کی حالت میں کہ جسم تیروں سے چھلنی تھا اور اس چھلنی کے ہر زخم سے خون بے روک ٹوک بہہ نکلا تھا ایسی بے ہوشی اکیلی ہی موت کی نیند سلانے کے لئے کافی ہوتی ہے لیکن اس نحیف جان کو تو یہ غم بھی لگا ہوا تھا کہ آنحضورؐ کا خدا جانے کیا حال ہوگا۔ یہ سب باتیں ایسی تھیں کہ گویا حضرت طلحہؓ اپنے مرنے کے سب سامان کئے پڑے تھے۔ لیکن یہ مژدہ جانفزا جو سُنا کہ آنحضورؐ خیریت سے ہیں تو لبوں سے جان پھر دل کی طرف لوٹ آئی اور دل جو خون سے خالی ہو چکا تھا۔ آنحضورؐ کی محبت کی قوت سے پھر چلنے لگا۔

آخری فتح

اُحد کے روز آپ کی آخری منصورِ فتحِ عبادتِ الٰہی کا قیام تھا یہ آخری جھنڈا تھا جو اس روز آپ نے بلند کیا اور ایسا بلند کیا کہ عبادتِ الٰہی کا جھنڈا ہر دوسرے جھنڈے سے بلند تر اور بالا اور ارفع ہو کر آسمانِ روحانیت پہ لہرانے لگا۔ نماز کو کبھی اپنے قیام کے لئے شائد ایسی سخت آزمائش پیش نہ آئی ہو جیسی شامِ اُحد کو پیش آئی۔ تمام دن کی شدید محنت اور خستگی اور جانکاہی کے سبب جسم تھکاوٹ کے غلبے سے مٹے ہوئے جاتے تھے۔ نیس پر کاری زخموں نے ایک الگ آفت ڈھا رکھی تھی۔ لوٹی لوٹی اذیت میں مبتلا تھی۔ لیکن دیکھو ایسے حال میں بھی آنحضورؐ نے نماز کو قائم کیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ :-

"اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور زخمی ہونے کے بعد سواری پر

حضورؐ اپنے دولت خانہ پہنچ گئے مگر وہاں جاکر
خود بخود گھوڑے سے اتر نہ سکے۔ اس لئے لوگوں نے
آپ کو اٹھا کر اتار لیا اور میں (ابو الخدری) حضورؐ
کے دونوں زانوں کو دیکھتا تھا۔ ان کی کھال چھلی
ہوئی اور سکڑی ہوئی تھی اور حضورؐ دونوں سعدؓ
(یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ) پر سہارا لگائے
لگائے اپنے دولت خانہ میں تشریف لے گئے پھر شام
کے وقت جب غروب آفتاب ہوگیا اور حضرت بلالؓ
نے آذان دی تو حضورؐ اسی طرح دونوں سعد پر سہارا
لگائے لگائے باہر تشریف لائے اور پھر دوبارہ اسی
طرح اندر تشریف لے گئے اور میں نے یہ بھی دیکھا۔
لوگ مسجد میں بیٹھے آگ جلائے ہوئے اپنے اپنے زخموں
کو سینک رہے تھے۔ اور داغ دے رہے تھے۔ یہاں تک
کہ جب شفق غائب ہوگئی تو حضرت بلالؓ نے عشاء
کی آذان دی مگر دیر تک حضورؐ باہر تشریف نہ لائے
اور حضرت بلالؓ آپ کے دروازے پر بیٹھے رہے جب
ایک تہائی رات گزر چکی تو حضرت بلالؓ نے آواز
دی کہ حضورؐ جماعت تیار ہے نماز کے لئے تشریف
لائیے چنانچہ آپ اس وقت سونے سے اٹھ کر باہر
تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ بہت آہستہ
آہستہ قدم اٹھاتے تھے پھر آپ نے نماز پڑھی۔"
(شروع الحرب ترجمہ فتوح العرب ص ۳۳۲)

آج کے تن آسان نوجوان جو ساحل ساحل چلنا
جانتے ہیں اور اسلام کے حرے کناروں پر سے ہی
لوٹنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ذرا اس وقت کا تصور
ذہن میں جا کر دیکھیں اور سوچیں تو ان کے وہم و
گمان سے بھی یہ اندیشہ نہیں گزر سکتا کہ اُس شام
مسجد نبویؐ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت
ادا کی گئی ہوں گی۔ لیکن ذرا محمد مصطفےٰؐ کو تو دیکھو کس
طرح اپنی ساری قوتیں سمیٹ کر اس گرتی پڑتی نماز کو کھڑا کیا۔
اور پھر دوسرے جھنڈے سے یہ جھنڈا بلند تر کر دیا۔ ہر چند
کہ آپ کے قدم اس کوشش میں تکلیف اور نقاہت سے
لڑکھڑا رہے تھے۔ عبادت الٰہی کے قدموں میں آپ نے
کوئی کمزوری اور کوئی نقاہت اور کوئی لڑکھڑاہٹ نہ آنے دی۔

یہ تھے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت
کرنیوالوں کے سرتاج جن کے قدم رفعت مآب تھے سب رفیع الشان
جنتیں جن کے پاؤں کے نیچے تھیں۔ دُنیا کے پہاڑ اور بلند چوٹیاں
ظاہری چاند ستاروں کی رفعتیں اور سات آسمانوں کے دُور
از قیاس افق آنحضورؐ کی روحانی رفعتوں کے مقابل پر ادنیٰ اور
حقیر اور پست دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی پرواز حدود کائنات
سے پرے تک تھی اور عرش الٰہی آپ کا دل ہی تو تھا جس پر خدا
اپنی پوری شان کے ساتھ متمکن ہوا۔ یہ تھے محمد مصطفےٰؐ سب
نبیوں کے سوار جن پر عرش کا خدا پیار کی نگاہیں ڈالتا تھا
اور اس کا ذکر اپنے لافانی کلام میں محفوظ فرماتا تھا۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء
علی الکفار رحماء بینھم۔ تراھم رکعًا
سجدًا یبتغون فضلًا من اللہ ورضوانًا

یا رب صل علی نبیک دائمًا
فی ھذہ الدنیا وبعث ثان

تضمین بر کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مجھ سے کہتے ہیں یہ عاشق با نور سے
تُو بھلا توصیف اس کی کیا کرے
مرتبہ جس کا ہو گماں سے پرے
روح کانپے، ذہن لرزے، دل ڈرے
در دلم جوشد ثنائے سرورے
آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

نُور سے اُس کے منوّر ہے جہاں
اُس سے ہیں آباد دل کی بستیاں
اُس سے وابستہ ہیں سب سچائیاں
ہے ثنا خواں اُس کی ارضِ قادیاں
آفتابِ ہر زمین و ہر زماں
رہبرِ ہر اسود و ہر احمرے

میں کروں کیا عرض کیا میری مجال
وہ ہے محبوبِ خدائے ذوالجلال
حُسن کا جس کے تصوّر ہے محال
وہ مکمل ہے نہیں اس کی مثال
ختم شُد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شُد ختم ہر پیغمبرے

قافلہ سالارِ خیلِ صادقاں
کعبۂ امید شہرِ عاشقاں
مجھ سے لاچاروں، حقیروں کی اماں
اہلِ ربوہ ہیں اُسی کے نعت خواں
اے خدا بر وے سلام ما رساں
ہم برا خوانش زہر پیغمبرے

اُس کا عالم میں نہیں کوئی مثیل
ہے محمد ہی محمدؐ کی دلیل
اُس کے خادم جِنّ و انساں، جبرئیل
صاحبِ تسنیم و کوثر، سلسبیل
پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل
بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے

سیّدالکونین، ختم الانبیاء
مظہرِ کامل ہے جو اللہ کا
راستہ جس کا خدا کا راستہ
عرش سے آگے ہے جس کا مرتبہ
جائے او جائے کہ طیرِ قدس را
سوزد از انوارِ آں بال و پرے

کامران و کامگار و کامیاب
خوبیاں اس کی ہیں بے حد و حساب
اس کا مولیٰ نے کیا خود انتخاب
وہ محمدؐ ہے نہیں اس کا جواب
حسنِ رویش بہ ز ماہ و آفتاب
خاکِ کویش بہ ز مشک و عنبرے

کائنات اس کی محبت میں ہے مست
اس کی خاطر ہے یہ ساری بُود و ہست
حاصلِ تخلیق اسی کی سرگزشت
وسعتِ کونین اسی کی سلطنت
مجمع البحرین علم و معرفت
جلیع الاسمینِ ابرِ و خاورے

اُس کا ہر ارشاد سچا برمحل
مجھ کو سودا ہے اُسی کا آج کل
ٹھہر بھی اے عمر کے سورج نہ ڈھل
دل گیا اس کی محبت میں پگھل
آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل
آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے

میں غلاموں کے غلاموں کا غلام
میں بھلا کس منہ سے لوں احمدؐ کا نام
میم کے پردے میں ہو جس کا مقام
اس پہ ہوں لاکھوں درود، اربوں سلام
سالکاں را نیست غیر از وے امام
رہبراں را نیست جز وے رہبرے

اُس کا سینہ خلق کے غم سے گداز
زندگی اس کی محبت کی نماز
مہدیٔ موعود ہے جس کا ایاز
دو جہانوں میں ہوا جو سرفراز
او چہ می دارد بمدح کس نیاز
مدحِ اُو خود فخرِ ہر مدحت گرے

(پروفیسر محمد علی چوہدری)

سیرت حضرت مولانا عبدالرحیم نیر صاحب رضؓ

جامعہ احمدیہ کے زیر انتظام طلبہ سے لکھوائے جانے والے مقالہ جات کے سلسلہ میں خاکسار کے ذمہ مقالہ کا عنوان "سیرت حضرت مولانا عبدالرحیم نیر صاحبؓ" ہے۔ حضرت مولانا صاحب موصوفؓ سے متعلق اگر کسی دوست کے پاس کسی قسم کی معلومات ہوں تو براہ مہربانی خاکسار کو مطلع فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(نعمت اللہ بشارت جامعہ احمدیہ ربوہ)

قریشی مظہر احمد صاحب قائد ضلع کراچی وفات پاگئے

انا للہ و انا الیہ راجعون

جماعت احمدیہ کراچی صدر کے نہایت مخلص اور بے نفس خادم مکرم قریشی مظہر احمد صاحب ایم۔ اے قائد ضلع کراچی مورخہ ۱۵ جون ۱۹۸۰ء بروز اتوار ساڑھے آٹھ بجے شب دل کا دورہ پڑنے سے اچانک وفات پاگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اگلے دن آپ کا جنازہ بذریعہ ہوائی جہاز لاہور اور پھر وہاں سے ربوہ لایا گیا جہاں حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے از راہ شفقت نماز مغرب کے بعد مسجد مبارک میں نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد قبرستان عام میں مرحوم کی قبر تیار ہونے پر مکرم محبوب عالم خالد صاحب نے دعا کرائی۔

مرحوم کی عمر ۳۲ سال تھی۔ آپ سٹیٹ بنک پاکستان میں اسٹیٹسٹیکل آفیسر (STATISTICAL OFFICER) تھے۔ آپ کا مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ بحیثیت عہدیدار شروع ہی سے تعلق رہا۔ جب آپ سیالکوٹ میں تھے تو وہاں پہلے معتمد اور پھر قائد شہر کی ذمہ داریاں سپرد رہیں۔ پھر جب کراچی تشریف لے گئے تو ۴ سال تک قائد کراچی صدر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بعدہٗ معتمد کے فرائض تفویض ہوئے اور گذشتہ سال سالانہ اجتماع کے موقعہ پر آپ کو قائد ضلع کراچی کی عظیم تر ذمہ داری سونپی گئی جسے آپ اپنی عمر کے آخری روز تک نہایت اخلاص اور جانفشانی سے سرانجام دیتے رہے۔

مرحوم گزشتہ چار سال سے جماعت احمدیہ کراچی صدر کے صدر بھی تھے۔ مرحوم کے والد ماجد قریشی بشیر حسین صاحب اور والدہ ماجدہ پہلے ہی وفات پا چکی ہیں۔

آپ نے سوگوار بیوہ کے علاوہ ۸ اور ۵ سالہ دو بچیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ ادارہ خالد مرحوم کی سوگوار اہلیہ، بچیوں اور برادران مکرم اظہر احمد قریشی صاحب اور مکرم سعید احمد قریشی صاحب سے مرحوم کی اس اچانک وفات پر دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ورثاء کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

اس سے قبل مکرم ملک محمود احمد صاحب نائب قائد ضلع گوجرانوالہ کے والد مکرم ملک مظفر احمد صاحب ۲۴ مئی ۱۹۸۰ء کو اور مکرم چوہدری شمیم پرویز صاحب قائد ضلع جھنگ کے والد ماجد چوہدری محمد ابراہیم صاحب ۳۱ مئی کو وفات پاگئے تھے۔ ان ہر دو بزرگوں کے جنازہ ربوہ لائے گئے اور بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی

ادارہ خالد ان ہر دو بزرگوں کی وفات پر گہرے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام میں رکھے اور ان کی اولادوں کو خادم دین متین بنائے۔ آمین۔

انشائیہ

حسن محمد خان ایم - اے

موسمِ گرما

ہمیں یقین ہے کہ آپ نے بلّی اور شیر والا قصہ ضرور سنا ہوگا۔ بی بلّی نے اپنے پیارے بھانجے کو شکار کے داؤں سکھائے لیکن بھانجے میاں جب سیکھ چکے تو مشق کے طور پر بی بلّی پر ہی ہاتھ صاف کرنا چاہا لیکن خالہ بی بھی تھیں کچھ ہوشیار اور چالاک۔ جھٹ درخت پر چڑھ گئیں۔ جب شیر نے دیکھا کہ وار خالی گیا تو مسکینی سے کہا کہ بی خالہ یہ کرتب تو سکھایا ہی نہیں۔ جواب ملا کہ یہ کرتب اسی دن کے لئے تو رکھ چھوڑا تھا۔ کچھ اس قسم کا واقعہ ہم سے بھی ہوا۔ ایڈیٹر خالد ایک دن آئے تو خالد کے بارہ میں مشورہ کرتے رہے۔ ہمیں بھی جو داؤں یاد تھے سب بتا دیئے لیکن قسمت نے پر مار دیا خالہ بلّی والا گُر بھلا بیٹھے اور اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ کی۔ اگلے ہی دن ہمیں اُن کی طرف سے ایک دبنگ قسم کا خط ملا کہ "موسمِ گرما" پر مضمون بھجواؤ اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ اگر نہ بھجو گے تو پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ اب ہمارا یہ حال ہوا کہ اگر ایک نظر خط پر ہے تو دوسری بغلوں میں یعنی بغلیں جھانک رہے ہیں۔ سوچا کہ اب ایڈیٹر صاحب سے کنی کترایا کریں گے لیکن انہیں کسی طرح ہمارے ارادہ کا پتہ چل گیا اور وہ ہر جگہ ہمیں گھیر لیتے اور مضمون کا مطالبہ کر دیتے۔ پھر تو یقین ہو گیا کہ "قہر درویش بر جانِ درویش"۔ اب چھٹکارا اسی میں ہے کہ جیسا بھی آتا ہے لکھ دو۔ پسند آیا تو چھاپ دیں گے ورنہ آئندہ کے لئے گلو خلاصی تو ہو جائے گی۔

سو ہمارے نزدیک تو موسمِ گرما بڑا پیارا موسم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اپریل کے وسط سے شروع ہو جاتا تھا اور اکتوبر کے وسط تک بہار دکھاتا تھا لیکن اب کے برس اللہ جانے اسے کیا ہو گیا ہے کہ آنکھ مچولی جاری ہے ذرا سی گرمی پڑتی ہے تو گھٹائیں جھوم کے آجاتی ہیں اور موسم معتدل ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے محلہ کے بعض تجربہ کار موسمی سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہ جو بعض ملک ایٹم بم کے تجربے کر رہے ہیں اس سے یہ تبدیلی آگئی ہے

اس کے برعکس بعض دوسرے "ماہرین موسمیات" کا خیال ہے کہ سورج دیوتا کی عمر کافی ہو گئی ہے کچھ بڑھاپے کے آثار نظر آنے لگ گئے ہیں اور اب ان کی گرمی میں وہ طنطنہ نہیں رہا جو پہلے ہوتا تھا۔ بعض کا ان دونوں سے اختلاف ہے لیکن ان سب میں کیا رکھا ہے۔ اصل بات تو موسم گرما کی ہے۔ ویسے ان سائنس دانوں نے اپنی تحقیق کو شائع اس لئے نہیں کیا کہ کہیں نوبل پرائز والوں کو پتہ چل گیا تو ایسا نہ ہو کہ یہ بھی انعام پانے والوں کی فہرست میں شامل کر لئے جائیں۔

ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ایک صاحب

فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہمارا ملک بھی دوسرے ملکوں کی طرح امیر ہو جائے تو ہم بھی گلچھرے اڑائیں لیکن ہمارے لوگوں کی اکثریت بچارے غریبوں کی ہے۔ اُن کا خیال تھا ملک غریب تو نہیں البتہ دولت کی تقسیم میں کچھ غلطی ہو گئی ہے ہم اس خیال کے تھے کہ بات خواہ کچھ ہو نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات کہ ہمارے ہاں غریب بہت ہیں اور امیر امراء تو آٹے میں نمک کے برابر ہیں

ویسے اب کچھ نمک تیز ہی پہننا شروع ہو گیا ہے سو یہ موسم گرما ہم غریبوں کے لئے تو بڑی نعمت ہے۔ کیا مصیبت ہے کہ سردیوں میں ڈھیر سارے کپڑوں کے باوجود ٹھٹھرتے پھرو غریب جسے ایک قمیص خریدنے کی طاقت نہیں وہ اتنے سارے کپڑے خریدے ورنہ نمونیہ! نہیں تو زکام اور اگر اس سے بچ گئے تو کم سے کم سردی سے تو مرتے ہیں۔ گرمیوں میں کیا لطف ہے۔ ہم ایسے مزدور لوگ تو بنیان ہی سے کام چلا لیتے ہیں۔ بعض اور بھی سمجھدار ہوتے ہیں کہ بنیان سے بھی بے نیاز۔ اللہ میاں نے جو لباس قدرتی طور پر پہنایا اُسی سے گزارہ ہو رہا ہے۔

تہبند یا پاجامہ بھی اس لئے پہن لیتے ہیں کہ شہروں اور بستیوں میں بسر کرنی ہے ورنہ جنگل بیابان میں ہوتے تو بمر

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس

پر عمل کرتے اور پھر صبح گجر دم ٹھنڈے پانی سے نہانے کا جو مزہ ہے وہ سردی میں گرم پانی میں کہاں۔ دوپہر کو جی چاہا تو مزے سے ایک ڈبکی لگالی۔ پانی ڈالتے جاؤ اور جنت کے مزے

لیتے جاؤ۔ کبھی کبھار گرمی نے اپنی ترنگ دکھائی تو رات کو سوتے وقت بھی بالٹی انڈیل لی اور پھر جو چارپائی پر لیٹے تو گھوڑے بیچ کر سوئے پر مزے سردیوں میں کہاں۔ پہاڑ جیسا دن

سولہ گھنٹے گزارنے مشکل ہو جاتے ہیں لیکن صاف دل اس سے بڑا فائدہ اٹھاتے ہیں جسے اتنا لمبا عرصہ کام کے لئے مل جائے اس کی تو چاندی ہی چاندی ہے۔ اُدھر سردی کو دیکھو۔ صبح ہوئی

جھٹ دوپہر اور پلک جھپکتے شام ہو گئی۔ کام کوئی کیا خاک کرے۔

اور پھلوں میں دیکھو تو پھلوں کا بادشاہ آم گرمیوں میں ہی ہوتا ہے۔ بالٹی میں برف ڈال کر آم بھگو دیجئے۔ تھوڑی دیر بعد کاٹ کاٹ کر کھاؤ کیسا مزہ ہے، کیا بہار ہے لیکن آج کل تو دس روپے سیر ملتے ہیں۔ وہ زمانے گئے جب پانچ روپے میں لنگڑے کا ٹوکرا آجاتا تھا۔ آلو بخارا، انگور، بگو گوشے، تربوز، خربوزے سب گرمی کی بہاریں ہیں۔ سردیوں میں کیا ہے سوائے کیلے اور سنترے کے۔

وہ برف کے گولے جن پر سرخ، سبز نیلا رنگ لگا دیتے ہیں بچے کیا مزے سے چوستے پھر رہے ہیں اور روپیہ دھیلی خرچنا نہیں پڑتا یہی آنہ دو آنہ میں مل جاتا ہے۔ قلفی کا مزہ بھی تو گرمیوں میں ہی آتا ہے۔ ویسے آجکل تو آئس کریم چالو ہو گئی ہے اور پھر برسات بھی گرمی کا ہی تو حصہ ہے۔ ذرا گرمی بھڑکی، بادل آئے اور چھما چھم بارش۔ گرمی کی بارش عجب لطف بہار دیتی ہے۔ شاعروں کا بھی دل پھڑکنے لگتا ہے اور بچوں کی تو عید ہو جاتی ہے، بارش میں کھیل رہے ہیں پھسل رہے ہیں

کلبلیں کر رہے ہیں۔ ماں باپ بھی اس لئے نہیں روکتے کہ کون سی سردی ہے۔

یہ بھی سچ ہے کہ جہاں پھول وہاں کانٹے جہاں اتنے آرام وہاں کچھ ذرا سی تکلیف بھی سہنی پڑتی ہے۔ گرمی دانے جسے شاید پنجاب کے رہنے والے پت کہتے ہیں، نکل آتے ہیں۔ بعضوں کے تو سارے جسم پر نکلتے ہیں لیکن بعضوں کے جسم کے کچھ حصوں پر۔ عام طور پر کمر پر بہت نکلتے ہیں ہاتھ تو وہاں کھجانے کے لئے جاتا نہیں۔ بس دیوار سے رگڑ رگڑ کر تسکین حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ کھجانے میں مزہ بڑا آتا ہے۔

پپیہے کی پی پی کبھی سردی میں سنی ہے؟ یہ میٹھے بول بھی گرمیوں میں ہی سننے کو ملتے ہیں کوئل کی کوک سے شاعروں کے دلوں میں ہُوک اُٹھنے لگتی ہے۔

آپ نے آندھی دیکھی ہے؟ کبھی انگلستان اور امریکہ کے کسی آدمی سے پوچھ کر دیکھو۔ وہ حیران ہو کر ٹک ٹک آپ کو دیکھے گا۔ دہکتی ہوئی گرمی، لوؤں کا زمانہ، یکایک آسمان سیاہ ہو گیا آنکھ جھپکنے میں اندھیرا آ گئی۔ مٹی ہی مٹی، دھول ہی دھول۔ لیکن اسی جھلستی ہوئی گرمی میں یہ ٹھنڈی ہوا کیسی بھلی لگتی ہے۔ آندھی آئی اور واپڈا والوں کے مزے ہو گئے۔ جھٹ بجلی بند کی اور

مزے سے بیٹھ گئے۔ رات ہے تو شہر اندھیرے میں غرق اور دن ہے تو گرمی میں شرابور اور اگر کہیں اندھیری نے بہت ظلم کیا کہ ایک آدھ کھمبا گر گیا تو پھر تو دو چار دن کے لئے چھٹی۔ موم بتی کی فیکٹریوں والے دن رات دعا کرتے ہیں یا اللہ جلدی بھیج۔ بہت سی بھیج۔ تیز سی آندھی بھیج تاکہ بجلی بند ہو اور ان کے وارے نیارے ہوں جس کو نہیں بھی ضرورت وہ بھی دو چار خرید لیتا ہے۔ اللہ سب کا رازق ہے۔ آندھی نہ چلے۔ واپڈا والے بجلی بند نہ کریں تو موم بتی کی فیکٹریوں والے کہاں سے کھائیں

نمازیوں کو بھی گرمی میں ہی فائدہ ہے۔ اوّل تو تیمّم کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دوسرے ہمیں علماء فرماتے ہیں کہ بازو کہنی سے اوپر تک دھونا چاہیئے۔ پیروں کی ایڑیاں اچھی طرح دھونی چاہییں۔ وضو سے جتنا حصہ زیادہ دھویا جائے گا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ گرمیوں میں تو جی چاہتا ہے کہ بازو کندھوں تک دھوڈالیں اور ابو ہریرہؓ والا ثواب کمائیں۔ پیر ٹخنوں تک کیا گھٹنوں تک دھو لئے جائیں اور جی چاہتا ہے کہ پانی پڑتا ہے اور اگر یہ سچ ہے کہ اس سے گناہ دُھلتے ہیں تو بہت سے گناہ دُھلتے ہی رہیں

غرض ہم نے تو سچی بات ہے یہی دیکھا ہے کہ گرمی بڑے مزے کی چیز ہے۔ شاید کسی کو ہماری بات اچھی نہ لگے تو ہم بڑے ادب سے معافی کے خواستگار ہیں ویسے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انسان کو چاہیئے کہ

جگ میں چلے پَون کی چال ۔ سردی، گرمی، گرمی، سردی
اک سانچے میں ڈھال

کیونکہ خیر الامور اوسطہا ۔

"فاسٹ باؤلر"

"فاسٹ کا مطلب ہے تیز اور باؤلر کا مطلب ہے گیند پھینکنے والا۔ بس سمجھ لیجئے کہ ان دونوں کا مطلب ہوا تیز گیند پھینکنے والا۔ فاسٹ باؤلر وہ انسان ہے جو وکٹوں سے بیس پچیس قدم سے یک لخت دوڑنا شروع کر دیتا ہے اور وکٹوں کے پاس آکر اس کی حالت قابلِ رحم اور صورت قابلِ دید ہو جاتی ہے۔ وہ پانچ چھ قدم پرے سے ہی ایک لمبی چھلانگ لگاتا ہے اور بے تحاشا گھما کر گیند کو کھلاڑی کے منہ پر دے مارتا ہے۔ اور پھر کچھ دور تک اپنے ہی زور میں بھاگتا چلا جاتا ہے۔ ادھر یا تو وکٹ اڑتی دکھائی دیتی ہے یا دھپ سے گیند کھلاڑی کے لگتی ہے اور یا وہ شاندار باؤنڈری لگتی ہے کہ گیند پورے گیارہ آدمیوں کے روکنے سے بھی نہیں رکتی۔ فاسٹ باؤلر کو اس وقت بھی استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی کھلاڑی اڑ جائے اور آؤٹ ہونے کا نام ہی نہ لے۔ دوسرے الفاظ میں کھلاڑی کو ڈرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر میدان میں بارش ہو گئی ہو یا تھوڑی سی بھی نمی ہو تو فاسٹ باؤلر صاحب کا زیادہ بس نہیں چلتا۔"

(شفیق الرحمن)

موسلہ: طارق احمد بٹ کراچی

نتیجہ تحریری مقابلہ ماہ مئی

ماہِ مئی ۱۹۸۰ء کے لئے تحریری مقابلہ کا عنوان " اگر میں مدیر خالد ہوتا!" رکھا گیا تھا چنانچہ اس مقابلہ میں :-

اوّل : امجد نذیر صاحب پھلو کی
دوم : سیّد اویس احمد جنود سرگودھا

قرار پائے ہیں۔ بارک اللہ لہما۔

حسبِ اعلان ان ہر دو کے نام رسالہ خالد بالترتیب ایک سال اور چھ ماہ کے لئے جاری کیا جا رہا ہے۔

ماہِ جولائی کے لئے مضمون کا عنوان "وطن سے محبت" مقرر کیا گیا ہے۔ حسبِ شرائط مضامین موصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۰ راگست ۱۹۸۰ء ہوگی۔

(ادارہ)

مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ماہِ جولائی میں مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ میں " فتح اسلام " مقرر ہے۔ خدام بھائیوں سے درخواست ہے کہ اس کا مطالعہ فرمائیں نیز قائدین سے گذارش ہے کہ وہ اس امر کی نگرانی کریں کہ ہر خادم اس کتاب کا مطالعہ کرلے۔

(مہتمم تعلیم)

تین احمدی طالبات کی نمایاں کامیابی

احباب جماعت کے لئے یہ خبر بے حد خوشی کا موجب ہوگی کہ سرگودھا بورڈ کے میٹرک کے امتحان میں گورنمنٹ نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ کی احمدی طالبات نے اعلیٰ کامیابی حاصل کی ہے۔ اور تین طالبات بورڈ میں دوم، سوم اور چہارم رہی ہیں۔

دوم آنیوالی طالبہ طیبہ حمید، محترم چوہدری حمید اللہ صاحب ناظر ضیافت کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے ۷۴۰/۸۵۰ نمبر حاصل کئے ہیں۔ یہ اس سے قبل پانچویں کلاس کے امتحان میں وظیفہ حاصل کر چکی ہیں اور مڈل کے امتحان میں سکول بھر میں اوّل رہی تھیں۔ رانا سعادت احمد صاحب مرحوم کی بیٹی شاہینہ طاہرہ ۷۳۷/۸۵۰ نمبر لے کر بورڈ میں سوم رہی ہیں۔ خالدہ نصرت بنت چوہدری خلیل احمد صاحب ڈھلو دارالصدر غربی حلقہ القمر ہیں جنہوں نے ۷۲۹/۸۵۰ نمبر حاصل کر کے چوتھی پوزیشن حاصل کی ہے۔
ان ہر سہ طالبات کی کامیابی پر ادارہ خالد دلی مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ انکی یہ کامیابی آئندہ ترقیات کا پیش خیمہ ہو۔ آمین۔

جامعہ احمدیہ میں داخلہ کیلئے انٹرویو

اس سال جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے لئے واقفین زندگی طلباء کا انٹرویو ۳۰/ اگست ۱۹۸۰ء بروز ہفتہ ۸ بجے صبح دفتر وکالت دیوان تحریک جدید ربوہ میں ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

داخلہ کے لئے درخواستیں ۱۵/ جولائی ۱۹۸۰ء تک مقامی جماعت کے امیر یا صدر صاحب کی معرفت دفتر وکالت دیوان میں پہنچ جانی چاہئیں اس کے بعد موصول ہونے والی درخواستوں پر غور نہیں ہوگا۔ اس لئے امسال انٹرویو میں شامل ہونے کی خواہش رکھنے والے نوجوان میٹرک کے نتیجہ کا انتظار کئے بغیر فوری طور پر اپنی درخواستیں بھجوا دیں تا کوائف مکمل کئے جا سکیں۔

جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے لئے درخواست دہندگان میں سے صرف ۱۷ سترہ سال تک کی عمر کے امیدواران کو انٹرویو کیلئے بلایا جائے گا اور ایسے ہی طلبہ جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے مستحق قرار پائیں گے جنہوں نے میٹرک میں کم از کم سیکنڈ ڈویژن حاصل کی ہوگی۔ میٹرک کے امتحان کا نتیجہ نکلنے کے فوراً بعد اپنے نتیجہ کی بھی دفتر کو اطلاع دیں۔

(وکیل الدیوان تحریک جدید ربوہ)
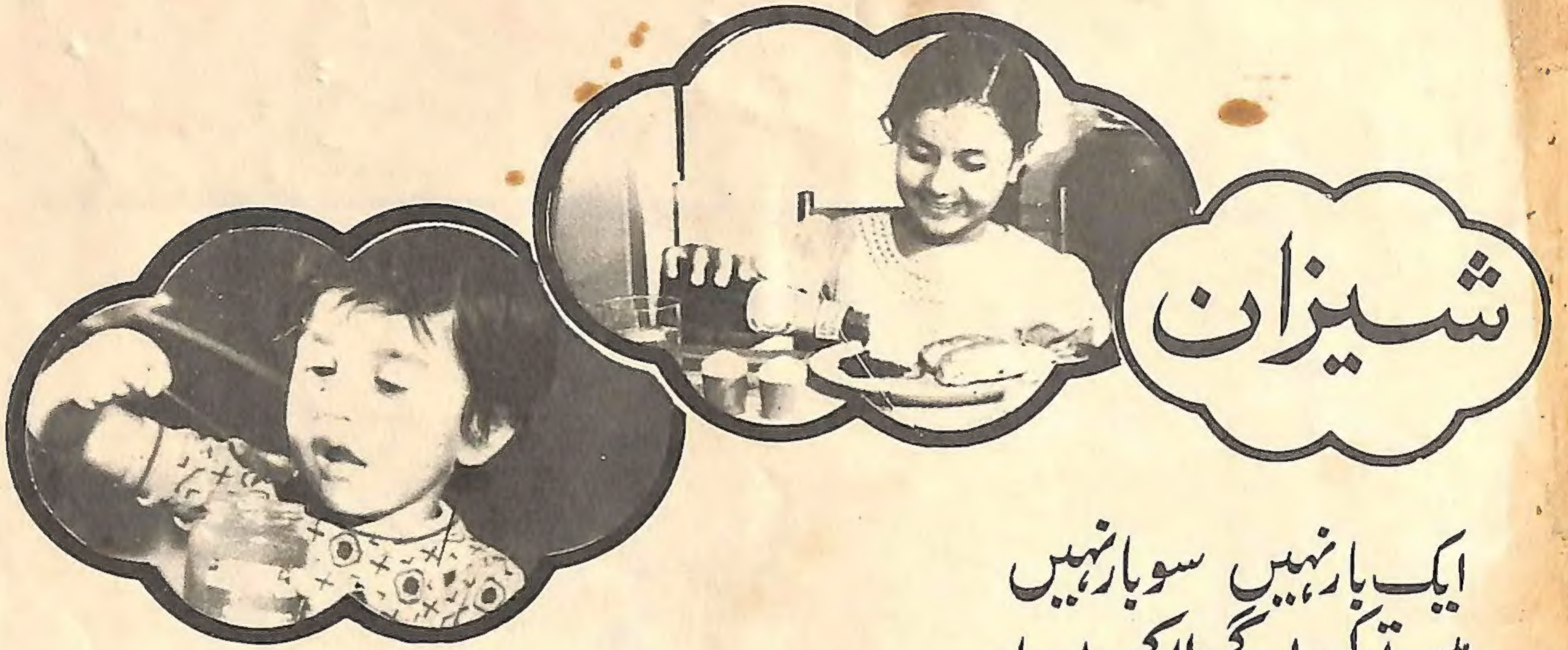
شیزان کی ہر چیز ہے سب سے مزے دار

شیزان انٹرنیشنل لمیٹڈ۔ بند روڈ۔ لاہور

Monthly

Rabwah

ایڈیٹر
محمد الیاس منیر

June — July 1980

Regd. No. L5830

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا